خطبہ نمبر

قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران: 74)

روزنامہ

الفضل لندن

مدیر: ابو سعید

Online Edition

سوموار 23/ جنوری 2023ء | 30/ جمادی الثانی 1444 ہجری قمری | 23/ صلح 1402 ہجری شمسی | جلد:5 | شمارہ:19

ارشاد باری تعالیٰ

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۰﴾

(النور: 20)

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں جو ایمان لائے بے حیائی پھیل جائے اُن کے لئے دردناک عذاب ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اللہ جانتا ہے جبکہ تم نہیں جانتے۔

فرمان خلیفۂ وقت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ دوسرے مذاہب اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی کا یہ تصور پیش ہی نہیں کر سکتے۔ اگر پردہ پوشی کا یہ تصور ہوتا تو مثلاً عیسائیوں میں کفارے کا مسئلہ نہ ہوتا۔ اور اسی طرح آریوں میں جونوں کا تصور نہ ہوتا کہ سزا جزا کے لئے اس دنیا میں اَور اَور شکلوں میں آنا ضروری ہے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 126-127)

پس اسلام ہی اللہ تعالیٰ کی ستاری کا یہ تصور پیش کرتا ہے جس کا اظہار اس دنیا میں بھی ہوتا ہے اور اگلے جہان میں بھی۔ لیکن اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں لے لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ پردہ پوشی کو پسند فرمایا ہے اور بندے کو یہ کہہ کر بخش دیا کہ تمہاری میں نے اس دنیا میں بھی پردہ پوشی فرمائی تھی یہاں بھی پردہ پوشی کرتے ہوئے بخش دیتا ہوں تو اس بات سے ہم بے لگام ہو جائیں کہ بُرے اور بھلے کی تمیز نہ رہے کیونکہ بخشے تو جانا ہی ہے، کیا فرق پڑتا ہے۔ برائیاں بھی کر لیں اور گناہ بھی کر لیں۔ جو چاہے کرتے پھریں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ مومنوں پر اللہ تعالیٰ کے پردے اس قدر ہیں کہ وہ شمار سے باہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو، مومن کو اس کی پردہ پوشی فرمانے کے لئے پردوں میں لپیٹا ہوا ہے۔ ایک مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے پردے ایک ایک کر کے پھٹتے جاتے ہیں یہاں تک کہ اگر وہ مستقل گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو لکھا ہے کہ کوئی پردہ بھی باقی نہیں رہتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے کہ میرے بندے کو چھپاؤ تو وہ اپنے پروں سے اسے گھیر لیتے ہیں۔ یہ دیکھیں اللہ تعالیٰ کس طرح ستاری فرما رہا ہے۔

(خطبہ جمعہ 27/ مارچ 2009ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

اس شمارہ میں

- محاسنِ قرآن کریم (منظوم)
- خلاصہ خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ
- خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ
- اے چھاؤں چھاؤں شخص! تیری عمر ہو دراز
- مذہبی مقدمہ میں پہلی سزائے موت
- سو سال قبل کا الفضل

فرمانِ رسولؐ

عَنۡ عُقۡبَۃَ بۡنِ عَامِرٍ عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنۡ رَّأٰی عَوۡرَۃً فَسَتَرَھَا کَانَ کَمَنِ اسۡتَحۡیَا مَوۡءُوۡدَۃً مِّنۡ قَبۡرِھَا

حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

جس نے کسی کی کمزوری دیکھی اور اس کی پردہ پوشی کی اس نے گویا کسی زندہ درگور لڑکی کو قبر سے نکالا اور اسے نئی زندگی بخشی۔

(السنن الکبریٰ للنسائی کتاب الرجم باب الترغیب فی ستر العورۃ)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

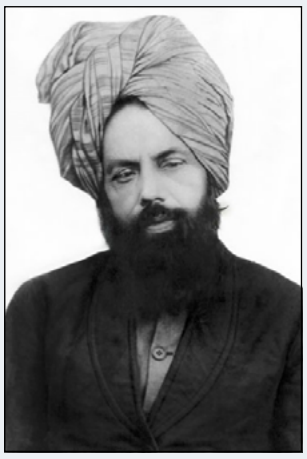

ایک چھوٹی سی کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک بادشاہ قرآن لکھا کرتا تھا۔ ایک مُلّاں نے کہا کہ یہ آیت غلط لکھی ہے۔ بادشاہ نے اُس وقت اس آیت پر دائرہ کھینچ دیا کہ اس کو کاٹ دیا جائے گا۔ جب وہ چلا گیا تو اس دائرہ کو کاٹ دیا۔ جب بادشاہ سے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا تو اس نے کہا کہ دراصل وہ غلطی پر تھا مگر مَیں نے اس وقت دائرہ کھینچ دیا کہ اس کی دلجوئی ہو جاوے۔

یہ بڑی رعونت کی جڑ اور بیماری ہے کہ دوسرے کی خطا پکڑ کر اشتہار دے دیا جاوے۔ ایسے امور سے نفس خراب ہو جاتا ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ غرض یہ سب امور تقویٰ میں داخل ہیں اور اندرونی بیرونی امور میں تقویٰ سے کام لینے والا فرشتوں میں داخل کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں کوئی سرکشی باقی نہیں رہ جاتی۔ تقویٰ حاصل کرو کیونکہ تقویٰ کے بعد ہی خدا تعالیٰ کی برکتیں آتی ہیں۔ متقی دنیا کی بلاؤں سے بچایا جاتا ہے۔ خدا ان کا پردہ پوش ہو جاتا ہے۔ جب تک یہ طریق اختیار نہ کیا جاوے کچھ فائدہ نہیں۔ ایسے لوگ میری بیعت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ فائدہ ہو بھی تو کس طرح جبکہ ایک ظلم تو اندر ہی رہا۔ اگر وہی جوش، رعونت، تکبر، عُجب، ریاکاری، سریع الغضب ہونا باقی ہے جو دوسروں میں بھی ہے تو پھر فرق ہی کیا ہے؟ سعید اگر ایک ہی ہو اور وہ سارے گاؤں میں ایک ہی ہو تو لوگ کرامت کی طرح اس سے متأثر ہوں گے۔ نیک انسان جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر نیکی اختیار کرتا ہے اس میں ایک ربّانی رعب ہوتا ہے اور دلوں میں پڑ جاتا ہے کہ یہ باخدا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے خدا تعالیٰ اپنی عظمت سے اس کو حصہ دیتا ہے اور یہی طریق نیک بختی کا ہے۔

پس یاد رکھو کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھائیوں کو دکھ دینا ٹھیک نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ جمیع اخلاق کے مُتَمِّمْ ہیں اور اس وقت خدا تعالیٰ نے آخری نمونہ آپؐ کے اخلاق کا قائم کیا ہے۔ اس وقت بھی اگر وہی درندگی رہی تو پھر سخت افسوس اور کم نصیبی ہے۔ پس دوسروں پر عیب نہ لگاؤ کیونکہ بعض اوقات انسان دوسروں پر عیب لگا کر خود اس میں گرفتار ہو جاتا ہے اگر وہ عیب اس میں نہیں۔ لیکن اگر وہ عیب سچ مچ اس میں ہے تو اس کا معاملہ پھر خدا تعالیٰ سے ہے۔

بہت سے آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے بھائیوں پر معاً ناپاک الزام لگا دیتے ہیں۔ ان باتوں سے پرہیز کرو۔ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچاؤ اور اپنے بھائیوں سے ہمدردی، ہمسایوں سے نیک سلوک کرو اور اپنے بھائیوں سے نیک معاشرت کرو اور سب سے پہلے شرک سے بچو کہ یہ تقویٰ کی ابتدائی اینٹ ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 572-573 ایڈیشن 1988ء)

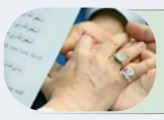

دربارِ خلافت

سلسلہ کے علماء، مربیان، واعظین اور عہدیداران نے خلفاء کی نصائح کو پھیلانے کی طرف خاص توجہ نہیں دی

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

آج میں بعض اَور پہلو بیان کروں گا جن کو حضرت مصلح موعود نے تفصیل سے بیان کیا ہے، اس میں سے کچھ کچھ پوائنٹ مَیں لیتا ہوں۔ لیکن اس بارے میں آج جو باتیں ہوں گی اس کے لئے میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے مربیان، ہمارے علماء اور ہمارے وہ عہدیداران اور امراء جن کو نصائح کا موقع ملتا ہے یا جن کے فرائض میں یہ داخل ہے اور ان عہدیداروں میں ذیلی تنظیموں کے عہدیدار بھی شامل ہیں، خاص طور پر ان باتوں کو سامنے رکھیں تا کہ جماعت کے افراد کی عملی اصلاح میں اپنا کردار بھرپور طور پر ادا کرسکیں۔ اس بارے میں بہت سی باتیں مَیں جماعت کے سامنے وقتاً فوقتاً پیش کرتا رہتا ہوں اور ایم ٹی اے کی نعمت کی وجہ سے جماعت کے افراد جہاں کہیں بھی ہیں اگر وہ ایم ٹی اے کے ذریعہ سے رابطہ رکھتے ہیں تو میری باتیں سن لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُن پر اثر بھی ہوتا ہے یا کم از کم اچھی تعداد میں لوگوں پر اثر ہوتا ہے۔ لیکن مربیان، امراء اور عہدیداران کا کام ہے کہ اپنے پروگرام اس نہج سے رکھیں کہ یہ پیغام اور اس بنا پر بنائے ہوئے پروگرام بار بار جماعت کے سامنے آئیں تا کہ ہر احمدی کے ذہن میں اُس کا دائرہ عمل اچھی طرح واضح اور راسخ ہو جائے۔ پس یہ بہت اہم چیز ہے جسے اُن سب کو جن کے سپرد ذمہ داریاں ہیں اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔

اصلاح کے ذرائع کا جو سب سے پہلا حصہ ہے، جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے وہ قوتِ ارادی کی مضبوطی ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں ایمان ہے جس کے پیدا کرنے کے لئے انبیاء دنیا میں آتے ہیں اور وہ انبیاء تازہ اور زندہ معجزات دکھاتے ہیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہماری جماعت کے پاس تو اللہ تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشانات کا اتنا وافر حصہ ہے کہ اتنا سامان کیا، اس سامان کے قریب قریب بھی کسی اور کے پاس موجود نہیں۔ اور اسلام کے باہر کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں جس کے پاس خدا تعالیٰ کا تازہ بتازہ کلام، اُس کے زندہ معجزات اور اُس کی ہستی کا مشاہدہ کرانے والے نشانات موجود ہوں، جو انسانی قلوب کو ہر قسم کی آلائشوں سے صاف کرتے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے لبریز کر دیتے ہیں۔ لیکن باوجود اس ایمان کے اور باوجود ان تازہ اور زندہ معجزات کے پھر کیوں ہماری جماعت کے اعمال میں کمزوری ہے؟

اس کے متعلق حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خیال کا یہ اظہار فرمایا ہے کہ وجہ یہ ہے کہ سلسلہ کے علماء، مربیان اور واعظین نے اس کو پھیلانے کی طرف خاص توجہ نہیں دی۔ حضرت مصلح موعودؓ کی یہ بات جس طرح آج سے پچہتّر، چھہتر سال پہلے صحیح تھی، آج بھی صحیح ہے اور اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اور جوں جوں ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے دُور جا رہے ہیں، ہمیں اس طرف مکمل planning کر کے توجہ کی ضرورت ہے۔ پس آپ کا یہ فرمانا آج بھی قابلِ توجہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ وفاتِ مسیح پر جس شدّ و مد سے تقریریں کرتے ہیں یا معترضین کے اعتراضات پر حوالوں کے حوالے نکال کر اُن کے یعنی اُن معترضین کے بزرگوں کے جو اقوال ہیں، معترضین کے سامنے ہم پیش کرتے ہیں اور اُن کا منہ بند کر دیتے ہیں۔ اتنی کوشش جماعت کے افراد کے سامنے جماعت کی صحیح تعلیم پیش کرنے کی نہیں ہوئی یا کم از کم علماء کی طرف سے نہیں ہوتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری جماعت میں ایسے لوگ تو مل جائیں گے جو وفاتِ مسیح کے دلائل جانتے ہوں یا مولوی کے اعتراضات کے منہ توڑ جواب دے سکتے ہوں۔ یہاں بھی آپ دیکھیں کہ بعض چینلز پر یا انٹرنیٹ پر مولوی جو اعتراض کرتے ہیں اُن کے جواب اور بعض دفعہ بڑے عمدہ اور احسن رنگ میں جواب ایک عام احمدی بھی دے دیتا ہے۔ مجھے بھی بعض لوگ ٹی وی کے حوالے سے اپنی گفتگو کے بارے میں رپورٹ بھجواتے ہیں اور اپنے جوابات بھی لکھتے ہیں اور اُن کے جواب بھی اکثر اچھے اور علمی ہوتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے تو ہم ہتھیاروں سے لیس ہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ملیں گے جنہیں یہ علم ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ کو کس رنگ میں پیش کیا؟ آپ نے معرفت اور محبتِ الٰہی کے حصول کے کیا طریق بتائے؟ اُس کا قرب حاصل کرنے کی آپ نے کن الفاظ میں تاکید کی؟ خدا تعالیٰ کے تازہ کلام اور اُس کے معجزات و نشانات آپ پر کس شان سے ظاہر ہوئے؟

(ماخوذ از خطبات محمود جلد 17 صفحہ 450-451 خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 10/ جولائی 1936ء)

(خطبہ جمعہ 24/ جنوری 2014ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

محاسنِ قرآن کریم

(کلام حضرت مسیح موعودؑ)

سچ ہے یہی کہ ایسے مذاہب ہی مرگئے
اَب اُن میں کچھ نہیں ہے کہ جاں سے گزر گئے

پابند ایسے دینوں کے دنیا پرست ہیں
غافل ہیں ذوقِ یار سے دنیا میں مست ہیں

مقصود اُن کا جینے سے دنیا کمانا ہے
مومن نہیں ہیں وہ کہ قدم فاسقانہ ہے

تم دیکھتے ہو کیسے دلوں پر ہیں اُن کے زنگ
دنیا ہی ہوگئی ہے غرض دین سے آئے تنگ

وہ دیں ہی چیز کیا ہے کہ جو رہنما نہیں
ایسا خدا ہے اُس کا کہ گویا خدا نہیں

پھر اُس سے سچی راہ کی عظمت ہی کیا رہی
اور خاص وجہ صفوتِ ملّت ہی کیا رہی

نُور خدا کی اُس میں علامت ہی کیا رہی
توحید خشک رہ گئی نعمت ہی کیا رہی

لوگو! سنو! کہ زندہ خدا وہ خدا نہیں
جس میں ہمیشہ عادتِ قدرت نما نہیں

مُردہ پرست ہیں وہ جو قصہ پرست ہیں
پس اس لئے وہ موردِ ذِل و شکست ہیں

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 11 نصرۃ الحق مطبوعہ 1908ء)

خلاصہ خطبہ جمعہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 20/ جنوری 2023ء بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد ٹلفورڈ یو کے

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تذکرۃ الشہادتین میں ایک رؤیا کا ذکر فرماتے ہوئے آخر پر لکھا کہ خدا تعالیٰ بہت سے اُن کے قائمقام پیدا کر دے گا، آپؓ نے اپنی رؤیا سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مجھے امید ہے کہ آپؓ کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ بہت سے اُن کے قائمقام پیدا کر دے گا، ہم گواہ ہیں کہ آج افریقہ کے رہنے والوں نے اجتماعی طور پر اِس کا نمونہ دکھا دیا اور قائمقامی کا حق ادا کر دیا ہے

حضور انور ایدہ اللہ نے تشہد، تعوذ، سورۃ الفاتحہ نیز سورۃ البقرہ کی آیات 155تا 157 کی تلاوت باترجمہ پیش کرنے کے بعد ارشاد فرمایا!

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کے بارہ میں یہ اُس کا فرمان ہے کہ وہ مُردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی

جماعت احمدیہ میں گزشتہ سو سال سے زائد عرصہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان کی قربانیاں پیش کی جا رہی ہیں، کیا اُن کی قربانیاں رائیگاں گئیں؟ نہیں! بلکہ جہاں اللہ تعالیٰ بمطابق اپنے وعدہ اِن شہداء کے مقام کو بلند کرتا رہا وہاں جماعت کو پہلے سے بڑھ کر ترقیات سے نوازتا رہا۔ اِن شہیدوں نے جہاں اگلے جہان میں وہ مقام پایا جو اُنہی کا حصہ ہے اور اُن کے درجات ہمیشہ بڑھتے چلے جانے والے ہیں، وہاں اِس دنیا میں بھی ہمیشہ کے لئے اُن کے نام روشن ہیں اور اِن کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینا نہ صرف اپنے لئے بلکہ جماعت کی زندگی کا بھی باعث بن رہا ہے۔ یہی تو ہیں جو پیچھے رہنے والوں کی زندگی اور ترقیات کا بھی ذریعہ بن رہے ہیں، پھر وہ مُردہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟

بعد میں آکر پہلوں سے سبقت لے گئے

اپنی دنیاوی زندگیوں کی قربانی دے کر ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنے والے بن گئے ہیں، جنہوں نے جان، مال، وقت کو قربان کرنے کا جب عہد کیا تو پھر نبھایا اور ایسا نبھایا کہ بعد میں آکر پہلے آنے والوں سے سبقت لے گئے، اللہ تعالیٰ اِن میں سے ہر ایک کو اُن بشارتوں کا وارث بنائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں قربانیاں کرنے والوں کو دی ہیں۔

تفصیلات المناک واقعہ شہادت

برکینا فاسو کا شہر ڈوری جہاں مہدی آباد نئی آبادی قائم ہوئی تھی وہاں جماعت ہے، گیارہ جنوری کو عشاء کے وقت نو احمدی بزرگوں کو مسجد کے صحن میں باقی نمازیوں کے سامنے اسلام احمدیت سے انکار نہ کرنے کی بناء پر ایک ایک کر کے شہید کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ! رپورٹ کے مطابق بوقت عشاء چار موٹر سائیکلوں پر آٹھ مسلح دہشت گرد مسجد میں آئے تو آذان ہو رہی تھی، اُس وقت تک کچھ نمازی آ چکے تھے اور باقی ابھی آ رہے تھے، آذان ختم ہونے کے بعد دہشت گردوں نے مؤذن سے احباب کے مسجد میں جلد آنے کا اعلان کروایا کہ کچھ لوگ آئے ہیں اُنہوں نے بات کرنی ہے۔ جب نماز کا وقت ہو گیا تو امام ابراہیم بدگا صاحب نے اُن سے کہا کہ ہمیں نماز پڑھ لینے دیں لیکن اُنہوں نے اجازت نہ دی۔ اُنہوں نے امام صاحب سے جماعت احمدیہ کے عقائد کے متعلق کافی سوالات کئے جن کے جوابات امام صاحب نے تسلی اور بہادری سے دیئے اور بتایا کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے ہیں، حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام امام مہدی اور مسیح موعود کے طور پر آئے ہیں۔ آخر پر مسلح افراد نے یہ باتیں سن کر کہا کہ احمدی مسلمان نہیں بلکہ پکے کافر ہیں اور نعوذ باللہ! آپؑ کے دعویٰ کو جھوٹا قرار دیا۔

میرا سر قلم کرنا ہے تو کر دیں لیکن مَیں احمدیت نہیں چھوڑ سکتا

پھر دہشت گردوں نے مسجد میں موجود احباب و خواتین سمیت ساٹھ سے ستّر نمازیوں میں سے بچوں، نوجوانوں اور بزرگوں کے الگ الگ گروپ بنائے، بلحاظ عمر گروپس بنانے کے بعد اُنہوں نے بڑی عمر کے افراد سے مسجد کے صحن میں آنے کا کہا، اُس وقت دس انصار مسجد میں موجود تھے جن میں سے ایک معذور کو یہ کہہ کر بٹھا دیا گیا کہ تم کسی کام کے نہیں ہو بیٹھے رہو۔ مسجد کے صحن میں کھڑا کر کے امام ابراہیم بدگا صاحب سے کہا! اگر وہ احمدیت سے انکار کر دیں تو اُنہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ اُنہوں نے کہا: میرا سر قلم کرنا ہے تو کر دیں لیکن مَیں احمدیت نہیں چھوڑ سکتا، جس صداقت کو مَیں نے پا لیا ہے اِس سے پیچھے ہٹنا ممکن نہیں، ایمان کے مقابلہ میں جان کی حیثیت کیا ہے؟ اُنہوں نے امام صاحب کی گردن پر بڑا چاقو رکھا اور اُن کو لِٹا کر ذبح کرنا چاہا لیکن مزاحمت اور کہنے پر کہ مَیں لیٹ کر مرنے کی نسبت کھڑے رہتے ہوئے جان دینا پسند کروں گا، امام صاحب کو گولیاں مار کر شہید کر دیا گیا۔

سب احمدی بزرگوں نے پہاڑوں جیسی استقامت کا مظاہرہ کیا

امام صاحب کو بے دردی سے شہید کرنے کے بعد دہشت گردوں نے خیال کیا کہ باقی لوگ خوفزدہ ہو کر ایمان سے پھر جائیں گے، چنانچہ اُنہوں نے اگلے احمدی بزرگ سے کہا کہ احمدیت سے انکار کرنا ہے یا تمہارا بھی وہی حشر کریں جو تمہارے امام کا کیا ہے؟ اُس بزرگ نے بڑی دلیری اور بہادری سے کہا کہ احمدیت سے انکار ممکن نہیں ہے، جس راہ پر چل کر ہمارے امام نے جان دی ہے ہم بھی اِسی راہ پر چلیں گے۔ اِس پر اُنہیں بھی سر میں گولیاں مار کر شہید کر دیا گیا۔ پیچھے رہ جانے والے افراد سے بھی فرداً فرداً یہی مطالبہ کیا گیا کہ امام مہدیؑ کا انکار کر دیں اور احمدیت چھوڑ دیں تو اُنہیں کچھ نہیں کہا جائے گا اور زندہ چھوڑ دیا جائے گا۔ سب احمدی بزرگوں نے پہاڑوں جیسی استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جرأت اور بہادری سے شہادت کو گلے لگانا قبول کر لیا، کسی ایک نے بھی ذرا سی کمزوری دکھائی اور نہ ہی احمدیت سے انکار کیا، ایک کے بعد ایک شہید گرتا رہا لیکن کسی کا ایمان متزلزل نہیں ہوا۔ سب نے ایک دوسرے سے بڑھ کر یقین محکم اور دلیری کا مظاہرہ کیا اور ایمان کا عَلَم بلند رکھتے ہوئے اللہ کے حضور اپنی جانیں پیش کر دیں۔

ہر شہید کو کم و بیش تین گولیاں ماری گئیں

نو شہداء میں دو جڑواں بھائی بھی شامل تھے، جب آٹھ افراد کو شہید کیا جا چکا تو آخر پر سب شہداء سے چھوٹے چوالیس سالہ آگو ما آگ عبدالرحمٰن صاحب سے دہشت گردوں نے پوچھا کہ تم جوان ہو، احمدیت سے انکار کر کے اپنی جان بچا سکتے ہو۔ اُنہوں نے بڑی شجاعت سے جواب دیا: جس راہ حق پر چل کر میرے بزرگوں نے قربانی دی ہے، مَیں بھی اپنے امام اور بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر ایمان کی خاطر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوں، اِس پر اُنہیں بھی بڑی بے دردی سے چہرہ پر گولیاں مار کر شہید کر دیا گیا۔ دہشت گردوں کے مسجد میں آنے سے لے کر سوال و جواب، عقائد پر تفصیلی بحث اور ساری کاروائی کر کے مسجد سے نکلنے تک کم و بیش ڈیڑھ گھنٹے کا وقت بنتا ہے، اِس دوران بچے اور باقی افراد جس کرب اور تکلیف سے گزرے ہوں گے اُس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اُن کے سامنے اُن کے بزرگوں کو شہید کیا جا رہا تھا۔

تدفین شہداء

دہشت گردوں نے مسجد میں ڈیڑھ گھنٹہ گزار کر اِس قدر خوف کی فضاء پیدا کی تھی کہ جس مقام پر شہادتیں ہوئیں شہداء کی نعشیں رات بھر وہیں پڑی رہیں کیونکہ خدشہ تھا کہ دہشت گرد گاؤں سے باہر نہیں گئے اور اگر کوئی نعش اٹھانے گیا تو اُسے بھی مار دیا جائے گا، قریبی آرمی کیمپ سے باوجود اطلاع کے کوئی آیا اور نہ ہی اسکیورٹی اداروں کا کوئی فرد صبح تک وہاں پہنچا، شہداء کی تدفین 12/ جنوری کی صبح دس بجے پھر مہدی آباد میں کر دی گئی۔

احمدیت کے نو چمکتے ستارے

مزید برآں حضور انور ایدہ اللہ نے مختصراً اِن شہداء بالترتیب اڑسٹھ سالہ امام الحاج ابراہیم بدگا صاحب، اکہترسالہ جڑواں بھائیوں الحسن آگمالی ائیل صاحب وحسین آگمالی ائیل صاحب (زعیم انصار اللہ ڈوری)، سڑسٹھ سالہ عبدالرحمٰن آگ حمید و صاحب، سڑسٹھ سالہ صُلح آگ ابراہیم صاحب، انسٹھ سالہ عثمان آگ سودے صاحب، ترپن سالہ آگالی آگماگوئیل صاحب، ترپن سالہ موسیٰ آگ ادراہی صاحب اور چوالیس سالہ آگوما آگ عبدالرحمٰن صاحب (نائب امام الصلوٰۃ مہدی آباد) کا تعارف پیش کیا نیز ارشاد فرمایا! یہ احمدیت کے چمکتے ستارے ہیں، اپنے پیچھے ایک نمونہ چھوڑ کر گئے ہیں، اللہ تعالیٰ اِن کی اولادوں اور نسلوں کو بھی اخلاص و وفاء میں بڑھائے۔ دشمن سمجھتا ہے کہ اِن کی شہادتوں سے یہ اِس علاقہ میں احمدیت ختم کر دے گا لیکن پہلے سے بڑھ کر اِنْ شَآءَ اللّٰہُ احمدیت یہاں بڑھے اور پنپے گی۔

خطبہ ثانیہ سے قبل: بابت کفالت خاندان شہداء حسب سابق سیّدنا بلال فنڈ کی مدّ میں ادائیگی کی یاد دہانی کروانے کے بعد حضور انور ایدہ اللہ نے دو مخلص موصیان ڈاکٹر کریم اللہ زیروی صاحب و اہلیہ امۃ الطیف زیروی صاحبہ آف امریکہ دختر (امۃ الرشید شوکت صاحبہ مدیر مصباح ربوہ و ملک سیف الرحمٰن صاحب) کا تذکرۂ خیر کیا نیز بعد از نماز جمعۃ المبارک بشمول شہداء اِن مرحومین کی نماز جنازہ غائب بھی پڑھانے کا اعلان فرمایا۔

(قمر احمد ظفر۔ نمائندہ روزنامہ الفضل آن لائن جرمنی)

خطبہ جمعہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 30/ دسمبر 2022ء بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد ٹلفورڈ یو کے

کل رات جب میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ جعفر فرشتوں کے ساتھ پرواز کر رہے ہیں جبکہ حمزہ تخت پر ٹیک لگائے ہوئے ہیں (الحدیث)

بعض صحابہ جن کے بارے میں پہلے بیان کر چکا ہوں ان کی کچھ باتیں یا تفاصیل بعد میں سامنے آئی ہیں... مَیں نے مناسب سمجھا کہ اسے بھی چند خطبات میں بیان کر دوں تا اس ذریعہ سے بھی لوگوں کے علم میں یہ باتیں آ جائیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ سن سکیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حمزہ نام بہت پسند تھا

مَیں نے ابھی دعا ختم بھی نہ کی تھی کہ باطل مجھ سے دُور ہو گیا اور میرا دل یقین سے بھر گیا۔ پھر صبح کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی تمام حالت بیان کی جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ثبات قدم بخشے (حضرت حمزہؓ)

’’اے معشر قریش! میں نے دیکھا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں گویا اونٹنیوں کے کجاووں نے اپنے اوپر آدمیوں کو نہیں بلکہ موتوں کو اٹھایا ہوا ہے اور یثرب کی سانڈنیوں پر گویا ہلاکتیں سوار ہیں۔‘‘ ایک مشرک کا اعتراف

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۵﴾

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر کے اختتام پر میں نے بتایا تھا کہ بدری صحابہ کا ذکر تو اَب ختم ہوا لیکن

بعض صحابہ جن کے بارے میں پہلے بیان کر چکا ہوں ان کی کچھ باتیں یا تفاصیل

بعد میں سامنے آئی ہیں جنہیں یا تو مَیں کسی وقت بیان کروں گا یا جب ان کی اشاعت ہو گی تو اس میں آ جائیں گی۔ بعض لوگ لکھ رہے ہیں کہ اس تاریخ کو سن کر ہمیں بہت فائدہ ہوا ہے۔ خطبات میں بھی یہ حصہ بیان ہو جائے۔ اس لیے مَیں نے مناسب سمجھا کہ اسے بھی چند خطبات میں بیان کر دوں تا اس ذریعہ سے بھی لوگوں کے علم میں یہ باتیں آ جائیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ سن سکیں۔

بہرحال اس ضمن میں

پہلا ذکر حضرت حمزہؓ

کا ہے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور آپؐ کے بہت پیارے تھے جس کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف باتوں اور حضرت حمزہؓ کی شہادت سے ہوتا ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ردّ عمل تھا۔ ہوسکتا ہے بعض باتیں اجمالاً دوبارہ بھی دہرائی جائیں۔

روایت میں آتا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حمزہ نام بہت پسند تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک آدمی کے گھر لڑکا پیدا ہوا تو انہوں نے پوچھا ہم اس کا نام کیا رکھیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا نام حمزہ بن عبدالمطلب کے نام پر رکھو جو کہ مجھے سب ناموں سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(مستدرک علی الصحیحین للحاکم جزء ۵ صفحہ ۱۸۳۱ کتاب معرفۃ الصحابہ حدیث نمبر ۴۸۸۸ مطبوعہ مکتبہ نزار الباز ریاض)

حضرت حمزہؓ کی ازواج اور اولاد

کے متعلق طبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ حضرت حمزہؓ کی ایک شادی مِلّہ بن مالک جو کہ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے ان کی بیٹی سے ہوئی جن سے یعلیٰ اور عامر پیدا ہوئے۔ اپنے بیٹے یعلیٰ کے نام پر ہی حضرت حمزہؓ کی ایک کنیت ابو یعلیٰ تھی۔ حضرت حمزہؓ کی دوسری زوجہ حضرت خولہ بنت قیس انصاریہؓ سے حضرت عُمَارہؓ کی ولادت ہوئی جن کے نام پر حضرت حمزہؓ نے اپنی کنیت ابو عُمَارہ رکھی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک شادی حضرت اسماء بنت عُمَیسؓ کی بہن حضرت سلمیٰ بنت عمیسؓ سے ہوئی جن کے بطن سے ایک بیٹی حضرت اُمامہؓ کی پیدائش ہوئی۔ یہ وہی اُمامہ ہیں جن کے بارے میں حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم میں نزاع ہوا تھا۔ ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ حضرت اُمامہؓ اس کے پاس رہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فیصلہ فرمایا تھا کیونکہ حضرت امامہؓ کی خالہ حضرت اسماء بنت عُمَیس رضی اللہ عنہا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت حمزہؓ کے بیٹے یعلیٰ کی اولاد میں عُمارہ، فضل، زبیر، عقیل اور محمد تھے مگر سب فوت ہو گئے اور حضرت حمزہؓ کی نہ ہی اولاد زندہ رہی اور نہ ہی نسل چل سکی۔

(ماخوذ از طبقات الکبریٰ جزء ۲ صفحہ ۴۶ دار الفکر بیروت)

حضرت حمزہؓ کی بیٹی اُمامہ کے متعلق حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جس نزاع کا ابھی ذکر آیا ہے اس کی تفصیل بخاری میں اس طرح آئی ہے: حضرت بَراء بن عازبؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی القعدہ میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا تو اہلِ مکہ نے اس بات سے انکار کیا کہ آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے دیں۔ آخر آپؐ نے ان سے اس شرط پر صلح کی کہ وہ مکہ میں آئندہ سال عمرے کو آئیں گے اور تین دن تک ٹھہریں گے۔ جب صلح نامہ لکھنے لگے تو، جس طرح کہ لکھا ہے کہ یہ وہ شرطیں ہیں جن پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی، مکہ والے کہنے لگے کہ ہم اس کو نہیں مانتے۔ اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپؐ کو کبھی نہ روکتے بلکہ یہاں تم محمد بن عبداللہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا: مَیں اللہ کا رسول بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو۔ علی نے کہا ہرگز نہیں مٹانا۔ اللہ کی قسم! میں آپؐ کے خطاب کو کبھی نہیں مٹاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا ہوا کاغذ لے لیا اور آپؐ اچھی طرح لکھنا نہیں جانتے تھے۔ آپؐ نے یوں لکھا: یہ وہ شرطیں ہیں جو محمد بن عبداللہ نے ٹھہرائیں۔ مکہ میں کوئی ہتھیار نہیں لائیں گے سوائے تلواروں کے جو نیاموں میں ہوں گی اور مکہ والوں میں سے کسی کو بھی ساتھ نہیں لے جائیں گے اگرچہ وہ ان کے ساتھ جانا چاہے اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی نہیں روکیں گے اگر وہ مکہ میں ٹھہرنا چاہے۔ خیر جب معاہدے کے مطابق آپ آئندہ سال مکہ میں داخل ہوئے اور مدّت ختم ہو گئی تو قریش حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ

اپنے ساتھی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ اب یہاں سے چلے جائیں کیونکہ مقررہ مدت گزر چکی ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہو گئے۔حضرت حمزہؓ کی بیٹی آپ کے پیچھے آئی جو پکار رہی تھی کہ اے چچا! اے چچا! حضرت علیؓ نے جا کر اسے لے لیا اس کا ہاتھ پکڑا اور فاطمہ علیہا السلام سے کہا اپنے چچا کی بیٹی کو لے لیں۔ انہوں نے اس کو سوار کر لیا۔ اب علی، زید اور جعفر حمزہ کی لڑکی کی بابت جھگڑنے لگے۔علی کہنے لگے کہ میں نے اس کو لیا ہے اور میرے چچا کی بیٹی ہے اور جعفر نے کہا میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے اور زید نے کہا میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فیصلہ کیا کہ وہ اپنی خالہ کے پاس رہے اور فرمایا: خالہ بمنزلہ ماں ہے اور علی سے کہا تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں اور جعفر سے کہا تم صورت اور سیرت میں مجھ سے ملتے جلتے ہو اور زید سے کہا تم ہمارے بھائی ہو اور دوست ہو۔علی نے کہا کیا آپ حمزہ کی بیٹی سے شادی نہیں کر لیتے۔تو آپؐ نے فرمایا کہ

وہ میرے دودھ بھائی کی بیٹی ہے۔ میں اس کا چچا ہوں۔

(ماخوذ از صحیح البخاری کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء حدیث نمبر ۴۲۵۱)

یہ چھوٹے چھوٹے مسائل بھی ان واقعات میں حل ہو جاتے ہیں۔بعض دفعہ قضا میں مقدمے آتے ہیں کہ خالہ کے پاس کیوں جائے؟ نانی کے پاس کیوں جائے؟ تو یہاں یہ فیصلے ہو گئے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے متعلق

رَوضُ الاُنُف میں لکھا ہے کہ ابنِ اسحاق کے علاوہ بعض نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق ایک بات کا اضافہ کیا ہے۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب مجھ پر غصہ غالب آ گیا اور مَیں نے کہہ دیا یعنی وہ جو سارا واقعہ ہوا ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب اپنی لونڈی کے کہنے پہ (کہہ دیا) کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہوں۔ بعد میں مجھے ندامت ہوئی کہ میں نے اپنے آباؤ اجداد اور قوم کے دین کو چھوڑ دیا ہے اور مَیں نے اس عظیم معاملے کے متعلق شکوک وشبہات میں اس طرح رات گزاری کہ لمحہ بھر سو نہ پایا۔ پھر مَیں خانہ کعبہ کے پاس آیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کی کہ اللہ تعالیٰ میرے سینے کو حق کے لیے کھول دے اور مجھ سے شکوک وشبہات کو دُور کر دے۔

مَیں نے ابھی دعا ختم بھی نہ کی تھی کہ باطل مجھ سے دُور ہو گیا اور میرا دل یقین سے بھر گیا۔ پھر صبح کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی تمام حالت بیان کی جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ثبات قدم بخشے۔

(روض الانف جزء ۲ صفحہ ۴۴-۴۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

حضرت عَمّار بن ابو عمارؓ سے روایت ہے کہ حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ انہیں جبرئیل علیہ السلام ان کی حقیقی شکل میں دکھائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم انہیں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو تو اپنی جگہ پر اب بیٹھ جاؤ۔ راوی کہتے ہیں پھر جبرئیل علیہ السلام خانہ کعبہ کی اس لکڑی پر اتر آئے جس پر مشرکین طواف کے وقت اپنے کپڑے ڈالا کرتے تھے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نگاہ اٹھاؤ اور دیکھو۔

جب انہوں نے دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان یعنی جبرئیل علیہ السلام کے دونوں پاؤں سبز زَبَرْجَد کی مانند ہیں۔ پھر وہ غشی کی حالت میں گر پڑے۔

زبرجد بھی ایک قیمتی پتھر ہے۔ کہتے ہیں جو زُمُرّد سے مشابہت رکھتا ہے۔

(الطبقات الکبریٰ جزء ۳ صفحہ ۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت) (منجد زیر مادہ زبر)

صفر دو ہجری میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ سے ابواء کی طرف نکلے جس میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی شرکت کی توفیق ملی۔ اس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ہی اٹھایا ہوا تھا جو کہ سفید رنگ کا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے حضرت ابو سعد رضی اللہ عنہ یا ایک روایت کے مطابق حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا۔ اس سفر میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی اور بنو ضَمُرَہ کے ساتھ صلح کا معاہدہ طے پا گیا۔

یہ پہلا غزوہ تھا جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت کی۔

اس غزوہ کا دوسرا نام وَدّان بھی ہے۔

(ماخوذ از سبل الہدیٰ والرشاد جزء ۴ صفحہ ۱۴ باب الثالث فی غزوۃ الابواء مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اس بارہ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیرت خاتم النبیین میں لکھا ہے کہ ’’جہاد بالسیف کی اجازت ہجرت کے دوسرے سال ماہ صفر میں نازل ہوئی۔ چونکہ قریش کے خونی ارادوں اور ان کی خطرناک کارروائیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے فوری کارروائی کی ضرورت تھی اس لئے آپؐ اسی ماہ میں مہاجرین کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہوئے مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ روانگی سے قبل آپؐ نے اپنے پیچھے مدینہ میں سعد بن عبادہ رئیسِ خزرج کو امیر مقرر فرمایا اور مدینہ سے جنوب مغرب کی طرف مکہ کے راستہ پر روانہ ہو گئے اور بالآخر مقامِ وَدّان تک پہنچے۔ اس علاقہ میں قبیلہ بنو ضَمُرَۃ کے لوگ آباد تھے۔ یہ قبیلہ بنو کنانہ کی ایک شاخ تھا اور اس طرح گویا یہ لوگ قریش کے چچا زاد بھائی تھے۔ یہاں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنوضمرۃ کے رئیس کے ساتھ بات چیت کی اور باہم رضامندی سے آپس میں ایک معاہدہ ہو گیا۔جس کی شرطیں یہ تھیں کہ بنوضمرۃ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھیں گے اور مسلمانوں کے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کریں گے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مسلمانوں کی مدد کے لیے بلائیں گے تو وہ فوراً آجائیں گے۔ دوسری طرف آپؐ نے مسلمانوں کی طرف سے یہ عہد کیا کہ مسلمان قبیلہ بنوضمرۃ کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھیں گے اور بوقتِ ضرورت ان کی مدد کریں گے۔ یہ معاہدہ باقاعدہ لکھا گیا اور فریقین کے اس پر دستخط ہوئے اور پندرہ دن کی غیر حاضری کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔غزوۂ وَدّان کا دوسرا نام غزوہ اَبْوَا بھی ہے کیونکہ ودّان کے قریب ہی ابوا کی بستی بھی ہے اور یہ وہی مقام ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تھا۔‘‘ یہ وہ مقام ہے۔ ’’مؤرخین لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غزوہ میں بنوضمرۃ کے ساتھ قریشِ مکہ کا بھی خیال تھا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ دراصل آپؐ کی یہ مہم قریش کی خطرناک کارروائیوں کے سدِّباب کے لیے تھی۔ اور اس میں اُس زہریلے اور خطرناک اثر کا ازالہ مقصود تھا جو قریش کے قافلے وغیرہ مسلمانوں کے خلاف قبائلِ عرب میں پیدا کر رہے تھے اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت ان ایام میں بہت نازک ہو رہی تھی۔‘‘

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 327-328)

بہر حال

حضرت حمزہؓ نے اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا اٹھایا ہوا تھا۔

جمادی الاولیٰ 2/ ہجری میں پھر قریش مکہ کی طرف سے کوئی خبر پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ جن کی تعداد ڈیڑھ سو یا دو سو بیان ہوئی ہے مدینہ سے عُشَیرہ کی طرف نکلے اور اپنے پیچھے اپنے رضاعی بھائی ابو سَلَمہ بن عبد الاسد کو امیر مقرر فرمایا۔

اس غزوہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفید رنگ کا جھنڈا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اٹھایا ہوا تھا۔

اس غزوہ میں آپؐ کئی چکر کاٹتے ہوئے بالآخر ساحلِ سمندر کے قریب یَنْبُعْ کے پاس مقام عُشَیرہ پہنچے اور گو قریش کا مقابلہ نہیں ہوا مگر اس میں آپؐ نے قبیلہ بنومُدْلِجْ کے ساتھ انہی شرائط پر جو بنوضمرہ کے ساتھ تھیں ایک معاہدہ طے فرمایا اور پھر واپس تشریف لے آئے۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ صفحہ 329)

(سبل الہدیٰ والرشاد جزء ۴ صفحہ ۱۷ باب السادس فی بیان غزوۃ العشیرۃ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

جنگِ بدر میں انفرادی لڑائی

میں جو مبارز طلبی کا ذکر ہے، یہ پہلے مختلف حدیثوں کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ ’’اب فوجیں بالکل ایک دوسرے کے سامنے تھیں۔ مگر قدرتِ الٰہی کا عجیب تماشہ ہے کہ اس وقت لشکروں کے کھڑے ہونے کی ترتیب ایسی تھی کہ اسلامی لشکر قریش کو

اصلی تعداد سے زیادہ بلکہ دوگنا نظر آتا تھا جس کی وجہ سے کفّار مرعوب ہوئے جاتے تھے اور دوسری طرف قریش کا لشکر مسلمانوں کو ان کی اصلی تعداد سے کم نظر آتا تھا۔جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے دل بڑھے ہوئے تھے۔قریش کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح اسلامی لشکر کی تعداد کا صحیح اندازہ پتہ لگ جاوے تا کہ وہ چھوٹے ہوئے دلوں کو سہارا دے سکیں۔ اس کے لئے رؤساء قریش نے عُمَیر بن وَہب کو بھیجا کہ اسلامی لشکر کے چاروں طرف گھوڑا دوڑا کر دیکھے کہ اس کی تعداد کتنی ہے اور آیا ان کے پیچھے کوئی کمک تو مخفی نہیں؟ چنانچہ عُمَیر نے گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کا ایک چکر کاٹا مگر اسے مسلمانوں کی شکل وصورت سے ایسا جلال اور عزم اور موت سے ایسی بے پروائی نظر آئی کہ وہ سخت مرعوب ہو کر لوٹا اور قریش سے مخاطب ہو کر کہنے لگا... ’’مجھے کوئی مخفی کمک وغیرہ تو نظر نہیں آئی، لیکن

اے معشرِ قریش! میں نے دیکھا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں گویا اونٹنیوں کے کجاووں نے اپنے اوپر آدمیوں کو نہیں بلکہ موتوں کو اٹھایا ہوا ہے اور یثرب کی سانڈنیوں پر گویا ہلاکتیں سوار ہیں۔‘‘

قریش نے جب یہ بات سنی تو اُن میں ایک بے چینی سی پیدا ہوگئی۔سراقہ جوان کا ضامن بن کر آیا تھا کچھ ایسا مرعوب ہوا کہ الٹے پاؤں بھاگ گیا اور جب لوگوں نے اسے روکا تو کہنے لگا... ’’مجھے جو کچھ نظر آرہا ہے وہ تم نہیں دیکھتے۔‘‘ حکیم بن حِزَام نے عُمَیر کی رائے سنی تو گھبرایا ہوا عُتبہ بن رَبیعہ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔’’اے عُتبہ! تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آخر عمرو حضرمی کا بدلہ ہی چاہتے ہو۔ وہ تمہارا حلیف تھا۔کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم اس کی طرف سے خون بہا ادا کر دو اور قریش کو لے کر واپس لَوٹ جاؤ۔ اس میں ہمیشہ کے لئے تمہاری نیک نامی رہے گی۔‘‘ عُتبہ کو جو خود گھبرایا ہوا تھا اَور کیا چاہئے تھا جھٹ بولا ’’ہاں ہاں میں راضی ہوں اور پھر حکیم! دیکھو تو یہ مسلمان اور ہم آخر آپس میں رشتہ دار ہی تو ہیں۔کیا یہ اچھا لگتا ہے کہ بھائی بھائی پر تلوار اٹھائے اور باپ بیٹے پر۔تم ایسا کرو کہ ابھی ابوالحکم (یعنی ابوجہل) کے پاس جاؤ اور اس کے سامنے یہ تجویز پیش کرو‘‘ اور ادھر عُتبہ نے خود اونٹ پر سوار ہو کر اپنی طرف سے لوگوں کو سمجھانا شروع کر دیا کہ ’’رشتہ داروں میں لڑائی ٹھیک نہیں ہے۔ہمیں واپس لوٹ جانا چاہئے اور محمدؐ کو اُس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے کہ وہ دوسرے قبائل عرب کے ساتھ نپٹتا رہے۔ جو نتیجہ ہوگا دیکھا جائے گا۔ اور پھر تم دیکھو کہ ان مسلمانوں کے ساتھ لڑنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کیونکہ خواہ تم مجھے بزدل کہو حالانکہ میں بزدل نہیں ہوں... مجھے تو یہ لوگ موت کے خریدار نظر آتے ہیں۔‘‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُور سے عُتبہ کو دیکھا تو فرمایا۔’’اگر لشکرِ کفار میں سے کسی میں شرافت ہے تو اس سرخ اونٹ کے سوار میں ضرور ہے۔ اگر یہ لوگ اس کی بات مان لیں تو ان کے لیے اچھا ہو۔لیکن جب حکیم بن حزام ابوجہل کے پاس آیا اور اُس سے یہ تجویز بیان کی تو وہ فرعونِ امت بھلا ایسی باتوں میں کب آنے والا تھا چھٹتے ہی بولا۔اچھا اچھا اب عُتبہ کو اپنے سامنے اپنے رشتہ دار نظر آنے لگے ہیں۔ اور پھر اس نے عمرو حضرمی کے بھائی عامر حضرمی کو بلا کر کہا تم نے سنا تمہارا حلیف عُتبہ کیا کہتا ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ تمہارے بھائی کا بدلہ گویا ہاتھ میں آیا ہوا ہے۔ عامر کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اس نے عرب کے قدیم دستور کے مطابق اپنے کپڑے پھاڑ کر اور ننگا ہو کر چلّانا شروع کیا... ہائے افسوس! میرا بھائی بغیر انتقام کے رہا جاتا ہے۔ہائے افسوس! میرا بھائی بغیر انتقام کے رہا جاتا ہے!!! اس صحرائی آواز نے لشکرِ قریش کے سینوں میں عداوت کے شعلے بلند کر دیئے اور جنگ کی بھٹی اپنے پورے زور سے دہکنے لگ گئی۔‘‘

’’ابوجہل کے طعنے نے عُتبہ کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ اس غصہ میں بھرا ہوا وہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے لڑکے ولید کو ساتھ لے کر لشکرِ کفار سے آگے بڑھا اور عرب کے قدیم دستور کے مطابق انفرادی لڑائی کے لیے مبارز طلبی کی۔ چند انصار ان کے مقابلہ کے لیے آگے بڑھنے لگے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روک دیا اور فرمایا۔حمزہ تم اُٹھو۔علی تم اُٹھو۔عبیدہ تم اُٹھو! یہ تینوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت قریبی رشتہ دار تھے اور آپؐ چاہتے تھے کہ خطرہ کی جگہ پر سب سے پہلے آپؐ کے عزیز واقارب آگے بڑھیں۔ دوسری طرف عُتبہ وغیرہ نے بھی انصار کو دیکھ کر آواز دی کہ ان لوگوں کو ہم کیا جانتے ہیں۔ ہماری ٹکر کے ہمارے سامنے آئیں۔ چنانچہ حمزہ اور علی اور عبیدہ آگے بڑھے۔عرب کے دستور کے مطابق پہلے روشناسی ہوئی۔ پھر عبیدۃ بن مطلب ولید کے مقابل ہو گئے اور حمزہ عُتبہ کے اور علی شیبہ کے۔حمزہ اور علی نے تو ایک دو واروں میں ہی اپنے حریفوں کو خاک میں ملا دیا لیکن عبیدۃ اور ولید میں دو چار اچھی ضربیں ہوئیں اور بالآخر دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ سے کاری زخم کھا کر گرے۔جس پر حمزہ اور علی نے جلدی سے آگے بڑھ کر ولید کا تو خاتمہ کر دیا اور عبیدۃ کو اُٹھا کر اپنے کیمپ میں لے آئے۔ مگر عبیدہ اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے اور بدر سے واپسی پر راستہ میں انتقال کیا۔‘‘

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ صفحہ 358 تا 360)

حضرت حمزہؓ نے غزوۂ بدر میں

طُعَیمَہ بن عَدِی سردارِ قریش کو بھی قتل کیا تھا۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب قصة غزوة بدر)

غزوۂ بدر کے واقعہ کے وقت کی ایک روایت ہے کہ حضرت حمزہؓ نے نشہ کی حالت میں حضرت علیؓ کی اونٹنیوں کو مار دیا تھا۔ یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس کی تفصیل بخاری میں یوں بیان ہوئی ہے: مختلف راوی ہیں۔حضرت علی بن حسینؒ اپنے والد حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر کی لڑائی کے موقع پر مجھے ایک جوان اونٹنی غنیمت میں ملی اور ایک دوسری اونٹنی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمائی۔ ایک دن ایک انصاری صحابی کے دروازے پر مَیں ان دونوں کو اس خیال سے باندھے ہوئے تھا کہ ان کی پیٹھ پر اذخر (وہ ایک گھاس ہے کہ جسے سنار وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں، خوشبو دار گھاس ہے) رکھ کر بیچنے لے جاؤں گا۔ بنی قینقاع کا ایک سنار بھی میرے ساتھ تھا۔ اس طرح خیال یہ تھا کہ اس کی آمدنی سے فاطمہ رضی اللہ عنہا جن سے میں نکاح کرنے والا تھا ان کا ولیمہ کروں گا۔حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اسی انصاری کے گھر میں شراب پی رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک گانے والی بھی تھی۔ اس نے جب یہ مصرع پڑھا کہ ہاں اے حمزہ! اٹھو فربہ جوان اونٹنیوں کی طرف بڑھو۔حمزہ رضی اللہ عنہ جوش میں تلوار لے کر اٹھے اور دونوں اونٹنیوں کے کوہان چیر دیے۔ ان کے پیٹ پھاڑ ڈالے اور ان کی کلیجی نکال لی۔ ابنِ جُرَیج نے بیان کیا کہ مَیں نے ابنِ شہاب سے پوچھا کہ کیا کوہان کا گوشت بھی کاٹ لیا؟ انہوں نے بیان کیا کہ ان دونوں کے کوہان بھی کاٹ لیے اور انہیں لے گئے۔ ابنِ شہاب نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے یہ دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی۔ پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ کی خدمت میں اس وقت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ میں نے آپؐ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپؐ تشریف لائے۔ زید رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ ہی تھے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب حمزہؓ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفگی کا اظہار فرمایا تو حضرت حمزہؓ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ نشہ کی حالت میں تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کہنے لگے کہ تم سب میرے باپ دادا کے غلام ہو۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم الٹے پاؤں لوٹ کر ان کے پاس سے چلے آئے۔ یہ شراب کی حرمت سے پہلے کا قصہ ہے۔

(صحیح البخاری کتاب المساقاة باب بیع الحطب والکلا حدیث نمبر ۲۳۷۵)

انہوں نے کہا ایسی حالت میں بہتر ہے کہ اس سے بات نہ کی جائے لیکن بعد میں بہرحال دیکھ لیں کہ

جب شراب کی حرمت ہوگئی تو پھر اس کے نزدیک بھی یہ لوگ نہیں گئے۔صحابہ کا اللہ تعالیٰ کے حکموں کو ماننے کا یہ معیار تھا کہ فوری طور پر مٹکے توڑ دیے۔

(صحیح مسلم کتاب الاشربۃ باب تحریم الخمر ... الخ حدیث نمبر 5138)

یہ نہیں کہا کہ ہم نشہ کی عادت آہستہ آہستہ چھوڑ دیں گے جیسا کہ آج کل لوگ کہتے ہیں۔ اوّل تو پہلے نشہ میں پڑ جاتے ہیں جو ویسے ہی غلط کام ہے۔ اسلام میں ممنوع ہے اور پھر کہتے ہیں آہستہ آہستہ چھوڑ دیں گے، ہمیں مہلت دی جائے۔تو بہرحال یہ ایک واقعہ ہے جو اُس وقت ہوا تھا اور پھر اس کے بعد ان کے قربانی کے معیار بھی بڑھتے چلے گئے۔ یقیناً حضرت حمزہؓ کو اس کے بعد شرمندگی بھی ہوئی ہوگی کہ انہوں نے کیا کہا۔

غزوۂ بدر کے بعد جب بنو قَینُقاع کی مہم درپیش تھی تو اس میں بھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔

اس غزوہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ہی اٹھایا ہوا تھا۔ یہ

جھنڈا سفید رنگ کا تھا۔

(سبل الھدیٰ والرشاد جزء ۴ صفحہ ۱۸۰ باب الثانی عشر فی غزوۃ بنی قینقاع مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اس کی تفصیل حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس طرح لکھی ہے کہ ’’جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تھے اُس وقت مدینہ میں یہود کے تین قبائل آباد تھے۔ ان کے نام بنو قینقاع، بنونضیر اور بنو قریظہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آتے ہی ان قبائل کے ساتھ امن وامان کے معاہدے کر لئے اور آپس میں صلح اور امن کے ساتھ رہنے کی بنیاد ڈالی۔ معاہدہ کی رُو سے فریقین اس بات کے ذمہ دار تھے کہ مدینہ میں امن وامان قائم رکھیں اور اگر کوئی بیرونی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں۔ شروع شروع میں تو یہود اس معاہدہ کے پابند رہے اور کم از کم ظاہری طور پر انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کوئی جھگڑا پیدا نہیں کیا۔ لیکن

جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان مدینہ میں زیادہ اقتدار حاصل کرتے جاتے ہیں تو اُن کے تیور بدلنے شروع ہوئے اور انھوں نے مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کا تہیّہ کرلیا اور اس غرض کے لیے انھوں نے ہر قسم کی جائز وناجائز تدابیر اختیار کرنی شروع کیں۔

حتیٰ کہ انہوں نے اس بات کی کوشش سے بھی دریغ نہیں کیا کہ مسلمانوں کے اندر پھوٹ پیدا کر کے خانہ جنگی شروع کرا دیں۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ ایک موقعہ پر قبیلہ اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ اکٹھے بیٹھے ہوئے باہم محبت واتفاق سے باتیں کر رہے تھے کہ بعض فتنہ پرداز یہود نے اس مجلس میں پہنچ کر جنگِ بُعاث کا تذکرہ شروع کر دیا۔ یہ وہ خطرناک جنگ تھی جو ان دو قبائل کے درمیان ہجرت سے چند سال قبل ہوئی تھی اور جس میں اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ ایک دوسرے کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ اس جنگ کا ذکر آتے ہی بعض جوشیلے لوگوں کے دلوں میں پرانی یاد تازہ ہوگئی اور گذشتہ عداوت کے منظر آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باہم نوک جھونک اور طعن وتشنیع سے گذر کر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اسی مجلس میں مسلمانوں کے اندر تلوار کھچ گئی مگر خیر گذری کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بروقت اس کی اطلاع مل گئی اور آپؐ مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ فوراً موقعہ پر تشریف لے آئے اور فریقین کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا اور پھر ملامت بھی فرمائی کہ تم میرے ہوتے ہوئے جاہلیت کا طریق اختیار کرتے ہو اور خدا کی اس نعمت کی قدر نہیں کرتے کہ اُس نے اسلام کے ذریعہ تمہیں بھائی بھائی بنا دیا ہے۔ انصار پر آپؐ کی اس نصیحت کا ایسا اثر ہوا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ اپنی اس حرکت سے تائب ہو کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔

جب جنگِ بدر ہو چکی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو باوجود ان کی قلّت اور بے سروسامانی کے قریش کے ایک بڑے جرّار لشکر پر نمایاں فتح دی اور مکہ کے بڑے بڑے عمائد خاک میں مل گئے تو

مدینہ کے یہودیوں کی آتشِ حسد بھڑک اٹھی اور انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ کھلم کھلا نوک جھونک شروع کر دی اور مجلسوں میں برملا طور پر کہنا شروع کیا کہ قریش کے لشکر کو شکست دینا کونسی بڑی بات تھی ہمارے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ ہو تو ہم بتادیں کہ کس طرح لڑا کرتے ہیں۔

حتیٰ کہ ایک مجلس میں انھوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر اسی قسم کے الفاظ کہے۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ جنگِ بدر کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے ایک دن یہودیوں کو جمع کر کے ان کو نصیحت فرمائی اور اپنا دعویٰ پیش کر کے اسلام کی طرف دعوت دی۔ آپؐ کی اس پُراَمن اور ہمدردانہ تقریر کا رؤسائے یہود نے ان الفاظ میں جواب دیا کہ ’’اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم شاید چند قریش کو قتل کر کے مغرور ہو گئے ہو۔ وہ لوگ لڑائی کے فن سے ناواقف تھے۔ اگر ہمارے ساتھ تمہارا مقابلہ ہو تو تمہیں پتہ لگ جاوے کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں۔ یہود نے صرف عام دھمکی پر ہی اکتفاء نہیں کی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے منصوبے بھی شروع کر دیئے تھے۔ کیونکہ روایت آتی ہے کہ جب ان دنوں میں طلحہ بن بَراء جو ایک مخلص صحابی تھے فوت ہونے لگے تو انہوں نے وصیت کی کہ اگر میں رات کو مروں تو نماز جنازہ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ دی جاوے تا کہ ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپؐ پر یہود کی طرف سے کوئی حادثہ گذر جاوے۔ الغرض جنگِ بدر کے بعد یہود نے کھلم کھلا شرارت شروع کر دی اور چونکہ مدینہ کے یہود میں بنو قینقاع سب میں زیادہ طاقتور اور بہادر تھے اس لیے سب سے پہلے انہی کی طرف سے عہد شکنی شروع ہوئی۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں کہ ... مدینہ کے یہودیوں میں سے سب سے پہلے بنو قینقاع نے اِس معاہدہ کو توڑا جو اُن کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوا تھا اور بدرؔ کے بعد انھوں نے بہت سرکشی شروع کر دی اور برملا طور پر بغض وحسد کا اظہار کیا اور عہد وپیمان کو توڑ دیا۔

مگر باوجود اس قسم کی باتوں کے مسلمانوں نے اپنے آقا کی ہدایت کے ماتحت ہر طرح صبر سے کام لیا اور اپنی طرف سے کوئی پیش دستی نہیں ہونے دی۔ بلکہ

حدیث میں آتا ہے کہ اس معاہدہ کے بعد جو یہود کے ساتھ ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر یہود کی دلداری کا خیال رکھتے تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں کچھ اختلاف ہو گیا۔ یہودی نے حضرت موسیٰؑ کی تمام انبیاء پر فضیلت بیان کی۔ صحابی کو اس پر غصہ آیا اور اُس نے اُس یہودی کے ساتھ کچھ سختی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الرسل بیان کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپؐ ناراض ہوئے اور اس صحابی کو ملامت فرمائی اور کہا کہ ’’تمہارا یہ کام نہیں کہ تم خدا کے رسولوں کی ایک دوسرے پر فضیلت بیان کرتے پھرو‘‘ اور پھر آپؐ نے موسیٰؑ کی ایک جزوی فضیلت بیان کر کے اس یہودی کی دلداری فرمائی۔ مگر باوجود اس دلدارانہ سلوک کے یہودی اپنی شرارت میں ترقی کرتے گئے اور بالآخر خود یہود کی طرف سے ہی جنگ کا باعث پیدا ہوا اور ان کی قلبی عداوت ان کے سینوں میں سما نہ سکی اور یہ اس طرح پر ہوا کہ ایک مسلمان خاتون بازار میں ایک یہودی کی دُکان پر کچھ سودا خریدنے کے لیے گئی۔ بعض شریر یہودیوں نے جو اُس وقت اُس دکان پر بیٹھے ہوئے تھے اسے نہایت اوباشانہ طریق پر چھیڑا اور خود دوکاندار نے یہ شرارت کی کہ اس عورت کی تہ بند کے نچلے کونے کو اس کی بے خبری کی حالت میں کسی کانٹے وغیرہ سے اس کی پیٹھ کے کپڑے سے ٹانک دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ عورت اُن کے اوباشانہ طریق کو دیکھ کر وہاں سے اٹھ کر لَوٹنے لگی تو وہ ننگی ہوگئی۔ اس پر اس یہودی دوکاندار اور اس کے ساتھیوں نے زور سے ایک قہقہہ لگایا اور ہنسنے لگ گئے۔

مسلمان خاتون نے شرم کے مارے ایک چیخ ماری اور مدد چاہی۔ اتفاق سے ایک مسلمان اُس وقت قریب موجود تھا۔ وہ لپک کر موقعہ پر پہنچا اور باہم لڑائی میں یہودی دوکاندار مارا گیا۔

جس پر چاروں طرف سے اس مسلمان پر تلواریں برس پڑیں اور وہ غیور مسلمان وہیں ڈھیر ہو گیا۔ مسلمانوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو غیرتِ قومی سے ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور دوسری طرف یہود جو اس واقعہ کو لڑائی کا بہانہ بنانا چاہتے تھے ہجوم کر کے اکٹھے ہو گئے اور ایک بلوہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے رؤسائے بنو قینقاع کو جمع کر کے کہا کہ یہ طریق اچھا نہیں۔ تم ان شرارتوں سے باز آجاؤ اور خدا سے ڈرو۔ انہوں نے بجائے اس کے کہ اظہارِ افسوس وندامت کرتے اور معافی کے طالب بنتے، سامنے سے نہایت متمردانہ جواب دیئے اور پھر وہی دھمکی دہرائی کہ بدر کی فتح پر غرور نہ کرو، جب ہم سے مقابلہ ہوگا تو پتہ لگ جائے گا کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں۔ ناچار آپؐ صحابہ کی ایک جمعیت کو ساتھ لے کر بنو قینقاع کے قلعوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب یہ آخری موقعہ تھا کہ وہ اپنے افعال پر پشیمان ہوتے مگر وہ سامنے سے جنگ پر آمادہ تھے۔

الغرض جنگ کا اعلان ہوگیا اور اسلام اور یہودیت کی طاقتیں ایک دوسرے کے مقابل پر نکل آئیں۔

اس زمانہ کے دستور کے مطابق جنگ کا ایک طریق یہ بھی ہوتا تھا کہ اپنے قلعوں میں محفوظ ہوکر بیٹھ جاتے تھے محاصرہ ہو جاتا تھا اور فریقِ مخالف قلعوں کا محاصرہ کر لیتا تھا اور موقع موقع پر گاہے گاہے ایک دوسرے کے خلاف حملے ہوتے رہتے تھے۔حتیٰ کہ یا تو محاصرہ کرنے والی فوج قلعہ پر قبضہ کرنے سے مایوس ہوکر محاصرہ اٹھا لیتی تھی اور یہ محصورین کی فتح سمجھی جاتی تھی اور یا محصورین مقابلہ کی تاب نہ لاکر قلعہ کا دروازہ کھول کر اپنے آپ کو فاتحین کے سپرد کر دیتے تھے۔ اس موقعہ پر بھی بنوقینقاع نے یہی طریق اختیار کیا اور اپنے قلعوں میں بند ہوکر بیٹھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا محاصرہ کیا اور پندرہ دن تک برابر محاصرہ جاری رہا۔

بالآخر جب بنوقینقاع کا سارا زور اور غرور ٹوٹ گیا تو اُنہوں نے اس شرط پر اپنے قلعوں کے دروازے کھول دیے کہ ان کے اموال مسلمانوں کے ہوجائیں گے۔ مگر اُن کی جانوں اور ان کے اہل وعیال پر مسلمانوں کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو منظور فرمالیا کیونکہ گو موسوی شریعت کی رُو سے یہ سب لوگ واجب القتل تھے۔ اور معاہدہ کی رو سے ان لوگوں پر موسوی شریعت کا فیصلہ ہی جاری ہونا چاہیے تھا مگر اس قوم کا یہ پہلا جرم تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیم وکریم طبیعت انتہائی سزا کی طرف جو ایک آخری علاج ہوتا ہے ابتدائی قدم پر مائل نہیں ہوسکتی تھی، لیکن دوسری طرف ایسے بدعہد اور معاند قبیلہ کا مدینہ میں رہنا بھی ایک مارِ آستین کے پالنے سے کم نہ تھا۔خصوصاً جب کہ اوس اور خزرج کا ایک منافق گروہ پہلے سے مدینہ میں موجود تھا اور بیرونی جانب سے بھی تمام عرب کی مخالفت نے مسلمانوں کا ناک میں دَم کر رکھا تھا۔

ایسے حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فیصلہ ہوسکتا تھا کہ بنوقینقاع مدینہ سے چلے جائیں۔ یہ سزا اُن کے جرم کے مقابل میں اور نیز اس زمانہ کے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک بہت نرم سزا تھی

اور دراصل اس میں صرف خود حفاظتی کا پہلو ہی مدنظر تھا۔ ورنہ عرب کی خانہ بدوش اقوام کے نزدیک نقل مکان کوئی بڑی بات نہ تھی۔خصوصاً جب کہ کسی قبیلہ کی جائیدادیں، زمینوں اور باغات کی صورت میں نہ ہوں جیسا کہ بنوقینقاع کی نہیں تھیں۔ اور پھر سارے کے سارے قبیلہ کو بڑے امن وامان کے ساتھ ایک جگہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جاکر آباد ہونے کا موقعہ مل جاوے۔ چنانچہ بنوقینقاع بڑے اطمینان کے ساتھ مدینہ چھوڑ کر شام کی طرف چلے گئے۔ ان کی روانگی کے متعلق ضروری اہتمام اور نگرانی وغیرہ کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی عبادۃ بن صامت کے سپرد فرمایا تھا جو اُن کے حلفاء میں سے تھے۔ چنانچہ عبادۃ بن صامت چند منزل تک بنوقینقاع کے ساتھ گئے اور پھر انہیں حفاظت کے ساتھ آگے روانہ کرکے واپس لوٹ آئے۔ مالِ غنیمت جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا وہ صرف آلاتِ حرب'' جنگ کے آلات، جنگ کا سامان'' اور آلاتِ پیشہ زرگری پر مشتمل تھا۔

بنوقینقاع کے متعلق بعض روایتوں میں ذکر آتا ہے کہ جب ان لوگوں نے اپنے قلعوں کے دروازے کھول کر اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا تو اُن کی بدعہدی اور بغاوت اور شرارتوں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ اُن کے جنگجو مردوں کو قتل کروا دینے کا تھا، مگر عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس منافقین کی سفارش پر آپؐ نے یہ ارادہ ترک کر دیا، لیکن'' (اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے) محقّقین ان روایات کو صحیح نہیں سمجھتے ''... کیونکہ جب دوسری روایت میں یہ صریحاً مذکور ہے کہ بنوقینقاع نے اس شرط پر دروازے کھولے تھے کہ ان کی اور ان کے اہل وعیال کی جان بخشی کی جائے گی تو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شرط کو قبول کر لینے کے بعد دوسرا طریق اختیار فرماتے'' اور پھر بھی قتل کرنے کی کوشش فرماتے۔ اس لیے یہ تو بالکل غلط بات ہے۔ ''البتہ بنوقینقاع کی طرف سے جان بخشی کی شرط کا پیش ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ خود ہی سمجھتے تھے کہ اُن کی اصل سزا قتل ہی ہے مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رحم کے طالب تھے اور یہ وعدہ لینے کے بعد اپنے قلعے کا دروازہ کھولنا چاہتے تھے کہ ان کو قتل کی سزا نہیں دی جاوے گی لیکن گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحیم النفسی سے انہیں معاف کر دیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں یہ لوگ اپنی بداعمالی اور جرائم کی وجہ سے اَب دنیا کے پردے پر زندہ چھوڑے جانے کے قابل نہیں تھے۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ جس جگہ یہ لوگ جلاوطن ہوکر گئے تھے وہاں انہیں ابھی ایک سال کا عرصہ بھی نہ گذرا تھا کہ اُن میں کوئی ایسی بیماری وغیرہ پڑی کہ سارے کا سارا قبیلہ اس کا شکار ہوکر پیوندِ خاک ہوگیا۔'' (سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ صفحہ 457-461) ختم ہوگیا۔غزوۂ بنو قینقاع ذوالحجہ ۲ر ہجری میں ہوا تھا۔(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ صفحہ 461) بہرحال حضرت حمزہؓ اس میں عَلَم بردار تھے۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بارے میں

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ اس کی خبر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ رؤیا دے دی تھی۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک مینڈھے کا پیچھا کر رہا ہوں اور یہ کہ میری تلوار کا کنارہ ٹوٹ گیا ہے تو مَیں نے یہ تعبیر کی کہ قوم کے مینڈھے کو قتل کروں گا یعنی ان کے سپہ سالار کو اور تلوار کے کنارے کی تعبیر مَیں نے یہ کی کہ میرے خاندان کا کوئی آدمی ہے۔ پھر حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ کو قتل کیا جو کہ مشرکین کا عَلَمبردار تھا۔

(مستدرك على الصحيحين للحاكم جزء ۵ صفحه ۱۸۳۴ كتاب معرفة الصحابه حديث نمبر ۴۸۹۶ مطبوعه مكتبه نزار الباز رياض)

حضرت حمزہؓ کا مُثلہ

کیا گیا تھا، شکل بگاڑی گئی تھی۔ ناک کان کاٹے گئے تھے۔ ان کا پیٹ چاک کیا گیا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ حالت دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید رنج ہوا اور فرمایا اگر اللہ نے مجھے قریش پر کامیابی دی تو میں اُن کے تیس آدمیوں کا مُثلہ کروں گا۔ جبکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ ان کے ستر آدمیوں کا مُثلہ کروں گا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِہٖ ؕ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَہُوَ خَیۡرٌ لِّلصّٰبِرِیۡنَ (النحل: 127) اور اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی تم پر زیادتی کی گئی تھی اور اگر تم صبر کرو تو یقیناً صبر کرنے والوں کے لیے یہ بہتر ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبر کریں گے اور اپنی قسم کا کفّارہ ادا کر دیا۔

(الاستيعاب فی معرفة الاصحاب جزء اوّل صفحه ۴۲۶ مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل رات جب میں جنت میں داخل ہوا، یہ نظارہ آپؐ نے دیکھا، تو میں نے دیکھا کہ جعفر فرشتوں کے ساتھ پرواز کر رہے ہیں جبکہ حمزہ تخت پر ٹیک لگائے ہوئے ہیں۔

(مستدرك على الصحيحين للحاكم جزء ۵ صفحه ۱۸۳۲ كتاب معرفة الصحابه حديث نمبر ۴۸۹۰ مطبوعه مكتبه نزار الباز رياض)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن حضرت حمزہؓ کے پاس سے گزرے۔ ان کا ناک اور کان کاٹے گئے تھے اور مُثلہ کیا گیا تھا۔ اس پر فرمایا اگر مجھے صفیہ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو یونہی چھوڑ دیتا یہاں تک کہ اللہ ان کو پرندوں اور درندوں کے پیٹوں سے ہی اٹھاتا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں کفن دیا گیا۔

(مستدرك على الصحيحين للحاكم جزء ۵ صفحه ۱۸۳۱ كتاب معرفة الصحابه حديث ۴۸۸۷ مطبوعه مكتبه نزار الباز رياض)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حمزہؓ کی شہادت اور آپؓ کی لاش کو دیکھ کر جذبات کا اظہار اور نہ صرف خود صبر کا نمونہ دکھانا بلکہ حضرت حمزہؓ کی بہن اور اپنی پھوپھی کو بھی اس کا پابند کرنا

جس کا کچھ ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ پھر نوحہ کرنے والی انصاری عورتوں کو نوحہ کرنے سے روکنے کا

واقعہ ہے۔اس واقعہ کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اپنی خلافت سے پہلے کی جلسہ سالانہ کی ایک تقریر میں بیان فرمایا تھا، وہ میں بیان کر دیتا ہوں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلقِ عظیم کا بھی پتہ لگتا ہے۔ بہرحال یہ مناسب ہے کہ اس واقعہ کو یہاں بیان کیا جائے۔ پہلے تو مختصراً حدیثوں کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے۔

فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حمزہؓ سے جو پیار تھا اس کا اظہار ان الفاظ سے ہوتا ہے جو اُحد کی شام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کی نعش پر کھڑے ہو کر فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا اے حمزہ! مجھے آج جو غصہ ہے اور جو تکلیف تیرے مقتل پر کھڑے ہو کر پہنچی ہے اللہ آئندہ کبھی مجھے ایسی تکلیف نہ دکھائے گا۔ اس وقت آپؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ، حضرت حمزہؓ کی بہن بھی یہ خبر سن کر وہاں چلی آئیں تو اس خوف سے کہ کہیں صبر کا دامن ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے پہلے تو آپؐ نے انہیں نعش دیکھنے کی اجازت نہ دی لیکن جب انہوں نے صبر کا وعدہ کیا تو اجازت فرما دی۔ بہرحال آپ حضرت حمزہؓ کے مقتل پر حاضر ہوئیں اور شیر خدا اور شیر رسول اپنے پیارے بھائی کی لاش اس حالت میں سامنے پڑی دیکھی کہ ظالموں نے سینہ پھاڑ کر کلیجہ نکال لیا تھا اور چہرے کے نقوش بھی بُری طرح بگاڑ دیے تھے۔ ہر چند کہ سینہ غم سے بیٹھا جاتا تھا مگر صفیہ اپنے صبر کے وعدے پر قائم رہیں اور ایک کلمہ بے صبری کا منہ سے نکلنے نہ دیا لیکن آنسوؤں پر کسے اختیار تھا۔ اِنَّا لِلّٰہ پڑھا اور روتے روتے وہیں بیٹھ گئیں۔ حالت یہ تھی کہ غمزدہ خاموش آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ آنحضورؐ بھی پاس بیٹھ گئے۔ آپؐ کی آنکھوں سے بھی بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ جب حضرت صفیہؓ کے آنسو مدھم پڑتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو بھی مدھم پڑ جاتے۔ جب حضرت صفیہؓ کے آنسو تیز ہوتے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو بھی تیز ہو جاتے۔ چند منٹ اسی حالت میں گزرے۔ پس

آنحضورؐ اور اہلِ بیت کا نوحہ ان چند خاموش آنسوؤں کے سِوا اَور کچھ نہ تھا اور یہی سنتِ نبویؐ ہے۔

آپؐ مدینہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ تمام مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا اور گھر گھر سے شہدائے احد کی یاد میں نوحہ گروں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو بڑے درد سے فرمایا۔ حمزہ کا تو کوئی رونے والا نہیں۔ ہاں حمزہ کو رونے والا ہو بھی کون سکتا ہے کہ اہلِ بیت کو تو صبح و شام صبر کی تلقین ہوا کرتی تھی۔ حضور کے اس درد بھرے فقرے کو جب بعض انصار نے سنا تو تڑپ اٹھے اور گھروں کی طرف دوڑے اور بیبیوں کو حکم دیا کہ ہر دوسرا ماتم چھوڑ دو اور حمزہ پر ماتم کرو۔ دیکھتے دیکھتے ہر طرف سے حمزہ کے لیے آہ و بکا کا ایک شور بلند ہوا اور ہر گھر حمزہ کا ماتم کدہ بن گیا۔ انصار بیبیاں نوحہ کو پڑھتے ہوئے اور آنسو بہاتیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمت کدہ پر بھی اکٹھی ہو گئیں۔ آنحضورؐ نے شور سن کر باہر دیکھا تو انصار بیبیوں کی ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ حضورؐ نے ان کی ہمدردی پر ان کو دعا دی اور شکریہ ادا کیا لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔ پس اس دن سے نوحہ کی رسم متروک کر دی گئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر ہماری جانیں نثار ہوں۔ کس شان کا معلمِ اخلاق تھا جو روحانیت کے آسمان سے ہمیں دین سکھانے نازل ہوا۔ کیسا صاحبِ بصیرت اور زیرک تھا یہ نصیحت کرنے والا جس کی نظر انسانی فطرت کے پاتال تک گزر جاتی تھی۔ اگر اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم انصار بیبیوں کو نوحہ کرنے سے منع فرما دیتے جب وہ اپنے شہیدوں کا نوحہ کر رہی تھیں تو شاید بعض دلوں پر یہ شاق گزرتا اور یہ صبر ان کے لیے صبر آزما ہو جاتا لیکن دیکھو! کیسے حکیمانہ انداز میں آپؐ نے پہلے ان کے ماتم کا رخ اپنے چچا حمزہ کی طرف پھیرا۔ پھر جب نوحہ سے منع فرمایا تو گویا اپنے چچا کے نوحہ سے منع فرمایا۔

اللہ کا انتخاب اللہ کا انتخاب ہے۔ دیکھو! اپنی مخلوق کے لیے کس شان کا نصیحت کرنے والا بھیجا اللہ تعالیٰ نے جو انسانی فطرت کی باریکیوں اور لطافتوں سے خوب آشنا تھا اور اپنے غلاموں کے لطیف جذبات کا کیسا خیال رکھنے والا تھا۔

آنحضورؐ کی ان حسین اداؤں پر جب نظر پڑتی ہے تو دل سینے میں اچھلتا ہے اور فریفتہ ہونے لگتا ہے اور بے اختیار دل سے یہ آواز اٹھتی ہے کہ ہماری جانیں، ہمارے اموال، ہماری اولادیں تیرے قدموں کے نثار۔ اے اللہ کے رسولؐ! تجھ پر لاکھوں درود اور کروڑوں سلام۔ اے وہ کہ جس کے حسن و احسان کا سمندر بے کنارہ تھا اور لافانی تھا۔ اے اللہ کے رسولؐ! تجھ پر لاکھوں درود اور کروڑوں سلام۔ زمین و آسمان کے واحد اور یگانہ خدا کی قسم! زمین و آسمان میں اس کی تمام مخلوق میں تُو واحد و یگانہ ہے۔ تجھ سا کوئی تھا نہ ہے نہ ہو گا۔

(ماخوذ از خطباتِ طاہر، تقاریر جلسہ سالانہ قبل از خلافت فرمودہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ صفحہ 364 تا 366 طاہر فاؤنڈیشن 2006ء)

حضرت حمزہؓ کے ذکر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ کا بھی ذکر ہو گیا۔ یہی یہاں اختتام ہے۔

اب چند جو دوسرے (صحابہ) ہیں ان کا ذکر ان شاء اللہ مَیں آئندہ کروں گا۔

پرسوں نیا سال بھی ان شاءاللہ شروع ہو رہا ہے۔

دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ نئے سال میں برکات لے کر آئے اور اس کی ساری برکات سے ہمیں نوازے۔ جماعت کے لیے بھی ہر لحاظ سے یہ بابرکت ہو۔ دشمن کے تمام منصوبوں کو اللہ تعالیٰ خاک میں ملا دے اور دنیا میں پھیلی ہوئی جماعتوں کو اللہ تعالیٰ پہلے سے بڑھ کر اپنے مقصدِ پیدائش کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسی طرح عمومی طور پر دنیا کے لیے دعا کریں کہ

اللہ تعالیٰ ان کو جنگوں سے بچائے۔ حالات خطرناک سے خطرناک ہوتے جا رہے ہیں اور تباہی منہ کھولے کھڑی ہے۔ کچھ پتہ نہیں ہر ایک اپنے مفادات چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے۔

اور اپنے مظلوم بھائیوں کے لیے بھی بہت دعائیں کریں

کہ اللہ تعالیٰ آئندہ سال میں ہر قسم کے ظلم اور تعدّی سے جماعت احمدیہ کو محفوظ رکھے۔

(الفضل انٹرنیشنل 20/ جنوری 2023ء صفحہ 5 تا 10)

بقیہ: سو سال قبل کا الفضل..... از صفحہ 14

بعد ازاں اخبار نے مذکورہ کتاب کے مضامین کا اجمالی تعارف کروایا ہے۔ نیز آخر میں لکھا ہے کہ:

’’ہاں ایک بات اور ہم کہہ دینا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ اگرچہ اس کتاب میں انہی مسائل پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے قلم اٹھایا ہے جن پر احمدیہ لٹریچر میں متعدد دفعہ بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن ہر بات اور مسئلہ میں خاص شان پیدا کی ہے اور ترتیبِ بیان بالکل نئی اور اچھوتی ہے۔ اس لاجواب تصنیف پر ہماری جماعت محترم و مکرم مصنف کی جس قدر بھی شکر گزار ہو کم ہے۔ اس شکر گزاری کا ایک طریق تو یہ ہے کہ کتاب کی اشاعت میں بہت کوشش اور سعی کی جائے اور دوسرا طریق یہ ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی صحت و عافیت اور درجات میں ترقی کے لیے خاص دعائیں کی جائیں۔

ان سطور کو ختم کرنے سے قبل ہم حضرت ممدوح کی خدمت اقدس میں تمام جماعت کی طرف سے یہ گزارش کریں گے کہ چونکہ جناب اس برگزیدۂ خدا کے لختِ جگر ہیں جسے دنیا سلطان القلم تسلیم کر چکی ہے اور اس مبارک انسان کے بھائی ہیں۔ جس کے زورِ قلم نے مخالفین کے چھکے چھڑوا دیئے اور وابستگانِ دامن مبارک کو عرفان اور معرفت کے تازہ بتازہ جام پلا کر سرشار کر دیا ہے۔ اس لیے جناب کی ذاتِ گرامی سے بھی ہمیں بڑی بڑی توقعات ہیں اور ہماری توقعات کو اس تازہ تصنیف نے نہ صرف بہت زیادہ بڑھا دیا ہے بلکہ درجۂ یقین تک پہنچا دیا ہے۔ اس لیے اپنے قلمِ مبارک کو اب تھمنے نہ دیجیے اور نئے نئے رشحات سے بہرہ اندوز فرماتے رہیے۔‘‘

اداریہ کے دیگر عناوین ’جمیعۃ العلماء کا باب الجہاد‘‘ اور ’’غیر مبائعین اور محبت کی رَو‘‘ ہیں۔

صفحہ نمبر 5 تا 7 پر حضرت مصلح موعودؓ کا ارشاد فرمودہ خطاب شائع ہوا ہے جو آپؓ نے جلسہ سالانہ 1922ء کے دوسرے روز لجنہ اماء اللہ سے فرمایا تھا۔

صفحہ 8 و 9 پر ’’مناجاتِ زرّیں‘‘ کے عنوان سے مولوی نواب خان صاحب ثاقب کی ایک طویل مسدس شائع ہوئی ہوئی جو آپ نے مولوی عبدالمغنی خان صاحب ناظر بیت المال کی فرمائش پر جلسہ سالانہ کے موقع پر 28/ دسمبر کو قبل از رپورٹ صیغہ بیت المال پڑھی۔

مذکورہ بالا اخبار کے مفصل مطالعہ کے لیے درج ذیل link ملاحظہ فرمائیں۔

https://www.alislam.org/alfazl/rabwah/A19230122.pdf

مترجم: ابو سلطان

ڈائری عابد خان سے ایک ورق

اے چھاؤں چھاؤں شخص! تیری عمر ہو دراز

حالیہ دورۂ امریکہ کی ڈائری

والدہ کی وفات کا صدمہ برداشت کرنے کی توفیق ملنا

ایک دوسرے دوست جن کو اس دن میں Zion میں ملا وہ مکرم رضی اللہ نعمان تھے جو حال ہی میں جامعہ احمدیہ کینیڈا سے فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔ آپ Zion اپنے بڑے بھائی مکرم جری اللہ صاحب کے ساتھ آئے تھے جنہوں نے اس دورہ کے دوران کام میں خاکسار کی کچھ معاونت کرنی تھی۔ ان کی والدہ ایک مختصر بیماری کے بعد چند ماہ قبل فوت ہوگئی تھیں تو میں نے ان سے تعزیت کی۔ اس پر رضی صاحب نے مجھے بتایا کہ جب سے ان کی والدہ کی وفات ہوئی ہے وہ جذباتی طور پر بہت پریشانی سے دوچار ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی والدہ کی وفات ان کی زندگی کی سب سے بڑی آزمائش تھی۔ انہوں نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی پہاڑ ہمارے اوپر گر گیا ہو اور ہمارے پاس بچنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔ ان کی والدہ محترمہ نصرت قادر صاحبہ مرحومہ کا تعلق کینیڈا کی جماعت سے تھا۔ ان کی وفات جولائی میں ہوئی اور چند ہفتوں کے بعد حضور انور نے خطبہ جمعہ میں آپ کا ذکر خیر فرمایا۔ جس دوران ہم مسجد کے باہر کھڑے تھے رضی صاحب نے بتایا کہ کس طرح جب سے ان کی والدہ کی وفات ہوئی ہے ان کو کسی چیز پر بھی توجہ مرکوز کرنے میں مشکل درپیش تھی جس میں دعا بھی شامل تھی۔ رضی صاحب کے لیے حضور انور کی امامت میں Zion میں نماز پڑھنے کا موقع میسر آنا اور آپ کو مسجد میں تشریف لاتے اور واپس جاتے ہوئے دیکھنا ایک زبردست تبدیلی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

رضی صاحب نے بتایا کہ:

’’میری والدہ کی وفات کے بعد میں بہت تکلیف میں تھا اور معمول کی زندگی گزارنے میں دشواری کا سامنا تھا۔ میں دعا میں مشغول رہا اور ناامید نہ ہوا لیکن مجھے توجہ مرکوز کرنے میں مشکل کا سامنا تھا۔ تاہم حضور انور کی موجودگی نے اس حالت کو پہلے ہی (دن) بدل دیا۔ آپ کی اقتدا میں میری دعاؤں کی کیفیت ہی بدل چکی تھی اور مجھے دعا میں خاص توجہ اور روحانیت کا احساس ایک مرتبہ پھر مِل گیا تھا۔‘‘ انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کی والدہ انہیں کہتی تھیں کہ خلیفۃ المسیح کی ہمیشہ اطاعت کرنا خواہ کچھ بھی ہو۔

رضی صاحب نے بتایا کہ میری والدہ کی حالت ایسی تھی کہ جب وہ ہسپتال میں تھیں جہاں دوسرے وقت گزارنے کے لیے موسیقی سنتے یا فلمیں دیکھتے ہیں۔ لیکن آپ ہمیشہ فرماتیں کہ حضور انور کا حالیہ خطبہ جمعہ لگا دو۔ اس لیے جب میں نے حضور انور کو Zion میں دیکھا تو میری والدہ کے الفاظ (کہ خلافت کے مطیع رہنا) میرے سامنے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ میری زندگی کی بہترین دعائیں تھیں۔ کیونکہ والدہ کو کھونے کے بعد مجھے احساس ہوا تھا کہ ابھی بھی میرے پاس کوئی ہے، جو خلیفہ وقت ہیں۔ دراصل اب آپ کی وفات کے بعد مجھے احساس ہوا ہے کہ آپ کی ہدایات ہمارے لیے کتنی اہم ہیں کہ ہم ہمیشہ خلیفۂ وقت کے مطیع رہیں کیونکہ جب ہمارا خیال تھا کہ ماں کی محبت کا کوئی نعم البدل نہیں ہوسکتا تو ہمیں خلافت مل گئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

ایک جچا تلا جواب

28/ ستمبر بروز بدھ سارا دن حضور انور نے ازراہ شفقت احمدی احباب سے فیملی ملاقاتیں فرمائیں۔ صبح کے وقت مجھے بھی چند لمحات کے لیے حضور انور سے شرف ملاقات حاصل ہوا جس میں حضور انور نے گزشتہ روز RNS کو دیے گئے انٹرویو کا ذکر بھی فرمایا۔ تبسم فرماتے ہوئے حضور انور نے فرمایا:

’’جرنلسٹ کے لہجے کی وجہ سے میں اس کے سوالات ٹھیک سے سن نہیں پا رہا تھا۔ اس لیے مجھے واضح نہیں تھا کہ وہ کیا سوال کر رہی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ میرے جوابات اس کے سوالات کے مطابق ہی تھے۔‘‘ حضور انور نے مزید فرمایا ’’**میرا خیال ہے کہ لوکل جماعت کی ٹیم مجھ سے توقع کر رہی تھی کہ میں ڈوئی اور اسلام کی فتح کے بارے میں زیادہ فاتحانہ رنگ میں بات کروں۔ میرے جوابات زیادہ جچے تلے تھے اور میں نے جملہ انبیاء اور مذاہب کی عزت واکرام کی اہمیت کے بارے میں بات کی۔ یہ پیغام ہے جو دوسروں کو بار بار باور کروانا بہت اہم ہے تا کہ وحدت اور معاشرے میں باہمی رواداری قائم رہے۔**‘‘

گروپ ملاقاتیں

دن کے باقی حصہ میں حضور انور نے از راہ شفقت دو الگ الگ احمدی مرد وزن کے گروپس کو شرف ملاقات بخشا۔ مردوں کی ملاقات کے دوران نوجوان اور بڑی عمر کے احباب کو حضور انور سے ملاقات کا شرف ملا جنہوں نے اپنے آبائی علاقوں کا تعارف کروایا نیز چند مسائل کا ذکر کر کے آپ سے دعاؤں کی درخواست کی۔

نہایت شفقت اور محبت سے حضور انور نے ہر ایک کی بات کو سنا اور ان کو دعاؤں سے بخشا۔ جنہوں نے اپنی تعلیم، کیریئر اور فیملی کے حالات کے بارے میں اپنی خواہشات کا اظہار کیا اور دعا کی درخواست کی۔ کچھ نے بہت فخر سے بتایا کہ کس طرح ان کے بڑوں یا رشتہ داروں نے احمدیت کی خاطر شہادت کا رتبہ پایا۔ کچھ نے دعاؤں کی درخواست کی کہ ان کو شادی کے لیے ہم کفو ساتھی مل جائے جبکہ دوسروں نے بتایا کہ وہ کئی سالوں سے شادی شدہ ہیں لیکن ان کے ہاں اولاد نہیں ہے، پھر انہوں نے حضور انور سے دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اولاد کی نعمت سے نوازے۔

ایک دوست کے جذبات خوب عیاں تھے جب انہوں نے حضور انور کو بتایا کہ ان کی بیٹی کے ہاں کئی سال سے اولاد نہیں ہو رہی تھی لیکن وہ مستقل حضور انور کو دعا کے لیے خطوط لکھ رہی تھی۔ چنانچہ شادی کے پندرہ سال کے بعد انہیں اولاد کی نعمت نصیب ہوئی ہے۔

لجنہ اماء اللہ کی ایک گروپ میٹنگ کے دوران ایک ممبر لجنہ نے حضور انور کو بتایا کہ اس سال تھوڑے سے عرصے کے دوران ان کے والدین کا انتقال ہوگیا تھا۔ جواب میں حضور انور نے ان کے والدین کے لیے دعا کی نیز ان کے لیے اور دیگر فیملی ممبران کے صبر اور حوصلہ کے لیے بھی دعا کی۔

ایک دوسری ممبر لجنہ نے نہایت خوشی سے حضور انور کو بتایا کہ چھ سال کی تگ و دو کے بعد انہیں اولاد کی پہلی نعمت ملی ہے۔ جواب میں حضور انور نے ان کی اچھی صحت کے لیے دعا کی اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید اولاد عطا فرمائے۔

چند خواتین نے حضور انور کو بتایا کہ انہوں نے مختلف شعبہ جات میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہوئی ہے جیسے ڈاکٹر یا ٹیچر۔ حضور انور نے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی، خاص طور پر ان کی جو وقف نو کی سکیم کا حصہ ہیں کہ وہ جماعتی ہسپتالوں اور سکولوں میں افریقہ اور پاکستان میں اپنی خدمات پیش کریں۔

چند خواتین نے حضور انور سے دعا کی درخواست کی کہ ان کے بچے مضبوط ایمان کے مالک ہوں اور احمدیت کی حقیقی خدمت گار ثابت ہوں۔

(حضور انور کا دورۂ امریکہ ستمبر- اکتوبر 2022ء از ڈائری عابد خان)

(باتعاون: مظفرہ ثروت۔ جرمنی)

اعلان نکاح

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عزیزہ ولیہ خورشید کا عزیزم شکیل احمد مسعود مرزا سے نکاح کا اعلان بعوض حق مہر بیس ہزار کینیڈین ڈالر مکرم ہادی علی چودھری نائب امیر کینیڈا نے 16/ دسمبر مسجد مسس ساگا ٹورنٹو بعد نماز جمعہ کیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

عزیزہ ولیہ مکرم شیخ خورشید احمد اور مکرمہ امۃ اللطیف خورشید کی پوتی اور مکرم ناصر احمد قریشی اور امۃ الباری ناصر کی نواسی ہے۔ بچی کے دادا مکرم شیخ خورشید احمد مرحوم مکرم خان مولوی فرزند علی خان مرحوم امام مسجد فضل لندن کے نواسے تھے جنہوں نے 33 سال بحیثیت اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل خدمت کی سعادت پائی۔ بچی کی دادی اور نانی حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے صحابی حضرت فضل محمدؓ ہرسیاں والے کی پوتیاں اور مکرم عبدالرحیم درویش قادیان کی بیٹیاں ہیں اور مکرم عبدالباسط شاہد صاحب مربی سلسلہ کی بہنیں ہیں۔ مکرمہ امۃ اللطیف خورشید کی وفات پر مارچ 2022ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے خطبہ جمعہ میں ان کا ذکر خیر فرمایا تھا اور لجنہ اماء اللہ کے لئے ستر سال پر محیط آپ کی طویل خدمات کو سراہا تھا۔

عزیزہ ولیہ کے والدین مکرم زاہد خورشید اور مکرمہ ڈاکٹر امۃ المصور سلسلہ کے خادم ہیں اور ان کے بھائی مکرم وقاص احمد خورشید مربیٔ سلسلہ ہیں جو امریکہ میں متعین ہیں۔

عزیزم شکیل مرزا مکرم مرزا مسعود احمد اور مکرمہ بشریٰ مرزا کے پوتے ہیں بچے کی دادی درویش قادیان مکرم مرزا عبد اللطیف بیگ مرحوم کی بیٹی ہیں۔ عزیزم شکیل مرزا ابن شاہد احمد مرزا کے جد امجد حضرت مرزا غلام اللہؓ کا خاندان آٹھویں پشت سے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے خاندان سے ملتا ہے۔ آپؓ مرزا ہادی بیگ کی پندرھویں پشت میں پیدا ہوئے۔ خوش قسمتی سے آپؓ حضرت اقدسؑ کے خاندان کے ستر افراد میں سے واحد فرد تھے جو آپؑ کے ابتدائی خدام میں شامل تھے اور احمدیت قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور آگے نسل چلی۔ عزیزم شکیل مرزا کی والدہ مکرمہ نصرت جہاں مرزا پشاور کے مکرم مرزا محمود بیگ اور مکرمہ طاہرہ مجیدہ کی بیٹی ہیں۔ مکرم مرزا محمود بیگ کی والدہ مکرمہ خورشید بیگم (نارووال) انتہائی مخلص فدائی احمدی تھیں بڑی ہی محنت اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے میاں مکرم مرزا اعظم بیگ اور بچوں کو احمدیت کی آغوش میں لے کر آئیں اس طرح ماشاء اللہ دونوں طرف کے خاندان حضرت اقدسؑ کے اصحاب سے تعلق رکھتے ہیں اور جماعت کے مخلص خدمت گزار ہیں۔ عزیزم شکیل احمد نوعمری سے مختلف جماعتی عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔

دعا ہے کہ یہ رشتہ ہر لحاظ سے بابرکت اور مثمر بثمرات حسنہ ہو۔

آمین اَللّٰھُمَّ آمین

مرسلہ: امۃ الباری ناصر۔ امریکہ

مولانا فرید احمد نوید۔ پرنسپل جامعہ احمدیہ انٹرنیشنل گھانا

مذہبی مقدمہ میں پہلی سزائے موت

ایک لمبے عرصہ سے دنیا کے بعض ملکوں میں مذہبی اختلافات اور دینی معاملات میں اپنی رائے سے مختلف فہم کو بنیاد بنا کر مقدمات قائم کرنے کا سلسلہ بڑی شد و مد سے جاری ہے اور بسا اوقات اس طرح کے مقدمات قائم کرنے والوں اور سزائیں دینے والے حلقوں کی جانب سے فخریہ طور پر یہ اظہار بھی کیا جاتا ہے کہ شاید یہ سعادت تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ انہیں ہی حاصل ہوئی ہے۔ وہ بڑے فخر سے اپنی ان کاوشوں کا تذکرہ کرتے ہیں، دن مناتے ہیں اور تکبر اور غرور سے بھرے ہوئے جملے بولتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ جیسے یہ کام اس سے پہلے تاریخ مذاہب میں کبھی ہوا ہی نہ ہو۔ وہ قانون کی پاسداری کا عذر بنا کر مظلوموں کو ظالموں کے سامنے جھک جانے کے مشورے دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات سے تو مذہبی تاریخ بھری ہوئی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی خاطر قربانیاں پیش کرنے والوں کو دیگر قربانیوں کے ساتھ ساتھ اپنی جانیں بھی دینا پڑیں۔

اس موضوع پر غور کرتے ہوئے یہ خیال آیا کہ تاریخ کے صفحات پلٹ کر دیکھا تو جائے کہ اس قسم کی سوچ کا آغاز کہاں سے ہوا اور کسے سب سے پہلے اس قسم کے مقدمہ میں اپنی جان دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کے جرم میں کسے سزائے موت دی گئی اور تاریخ مذاہب کے اس پہلے مقدمہ کا احوال کیا ہے؟ کون سی تعزیرات کے تحت مقدمہ قائم کیا گیا اور جرم اور مجرم کی تفصیل کیا ہے؟ مقدمہ کی فائل کھولی تو بائبل میں مذکور اس کیس کی FIR کچھ اس طرح لکھی نظر آئی۔

بائبل میں اس مقدمہ کی تفصیل

اور آدم اپنی بیوی کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی اور اس کے ہاں قائن (قابیل) پیدا ہوا۔ تب اُس نے کہا مجھے خداوند سے ایک مرد ملا۔ پھر قائن کا بھائی ہابل (ہابیل) پیدا ہوا۔ اور ہابل بھیڑ بکریوں کا چرواہا اور کائن کسان تھا۔ چند روز کے بعد یُوں ہوا کہ قائن اپنے کھیت کے پھل کا ہدیہ خُداوند کے واسطے لایا اور ہابل بھی اپنی بھیڑ بکریوں کے کُچھ پہلوٹھے بچّوں کا اور کچھ ان کی چربی کا ہدیہ لایا اور خُداوند نے ہابل کو اور اُس کے ہدیہ کو تو منظور کیا لیکن قائن کو اور اُس کے ہدیہ کو منظور نہ کیا۔ اس لئے قائن نہایت غضب ناک ہوگیا اور اُس کا مُنہ بگڑا۔ اور خُداوند نے قائن سے کہا تُو کیوں غضب ناک ہوگیا ہے اور تیرا مُنہ کیوں بگڑا ہوا ہے؟۔ اگر تُو بھلا کرے گا تو کیا مقبول نہ ہوگا؟ اور اگر تُو بھلا نہ کرے تو گناہ دروازہ پر دبکا بیٹھا ہے اور تیرا مُشتاق ہے لیکن تو اُس گناہ کی خواہش پر غالب آ۔ اور قائن نے اپنے بھائی ہابل کو کچھ کہا اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے تو یُوں ہوا کہ قائن نے اپنے بھائی ہابل پر حملہ کیا اور اُسے قتل کر ڈالا۔ تب خُداوند نے قائن سے کہا کہ تیرا بھائی ہابل کہاں ہے؟ اُس نے کہا، مجھے معلوم نہیں۔ کیا میں اپنے بھائی کا محافظ ہوں؟ پھر اُس نے کہا کہ تُو نے یہ کیا کیا؟ تیرے بھائی کا خُون زمین سے مُجھ کو پُکارتا ہے اور اب تُو زمین کی طرف سے لعنتی ہوا جس نے تجھے آمادہ کیا کہ تیرے ہاتھ سے تیرے بھائی کا خُون لے۔ جب تُو زمین کو جوتے گا تو وہ اب تجھے اپنی پَیداوار نہ دے گی اور زمین پر تو خانہ خراب اور آوارہ ہوگا۔ (پیدائش باب 4 آیات 1-13)

جرم کی یہ داستان سن کر انسان کے رونگھٹے کھڑے ہوجاتے ہیں کہ کیسے محض ایک معمولی مذہبی اختلاف کو بنیاد بنا کر قابیل ایک ظالمانہ فعل کا مرتکب ہوا اور اس مذہبی منافرت میں اس حد تک بڑھ گیا کہ خود ہی مدعی، خود ہی منصف اور خود ہی گواہ بن کر اس کارروائی کو سرانجام بھی دے دیا اور اپنے چھوٹے بھائی کو مذہبی جذبات مجروح کرنے کا الزام لگا کر موت کی سزا دے دی۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہابیل تاریخ مذاہب کے وہ پہلے شہید ہیں جنہیں مذہبی جذبات مجروح کرنے کا الزام لگا کر قتل کیا گیا اور اس کے بعد سے یہ سلسلہ مختلف شکلوں میں آج تک جاری ہے۔

قرآن کریم میں اس مقدمہ کی تفصیل

قرآن کریم سورۃ المائدہ میں اس مقدمے کی تفصیل کچھ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ:

اور اُن کے سامنے حق کے ساتھ آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ پڑھ کر سُنا جب ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قبول کر لی گئی اور دوسرے سے قبول نہ کی گئی۔ اس نے کہا میں ضرور تجھے قتل کر دوں گا۔ (جواباً) اس نے کہا یقیناً اللہ متقیوں ہی کی (قربانی) قبول کرتا ہے۔ اگر تو نے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تا کہ تُو مجھے قتل کرے (تو) میں (جواباً) تیری طرف اپنا ہاتھ بڑھانے والا نہیں تا کہ تجھے قتل کروں۔ یقیناً میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔ یقیناً میں چاہتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے گناہ اٹھائے ہوئے لوٹے پھر تو اہل نار میں سے ہو جائے اور ظلم کرنے والوں کی یہی جزا ہوتی ہے۔ تب اس کے نفس نے اُس کے لئے اپنے بھائی کا قتل اچھا بنا کر دکھایا۔ پس اس نے اسے قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگیا۔ پھر اللہ نے ایک کوّے کو بھیجا جو زمین کو (پنجوں سے) کھود رہا تھا تا کہ وہ (یعنی اللہ) اسے سمجھا دے کہ کس طرح وہ اپنے بھائی کی لاش کو ڈھانپ دے۔ وہ بول اُٹھا وائے حسرت! کیا میں اس بات سے بھی عاجز آ گیا کہ اس کوّے جیسا ہی ہو جاتا اور اپنے بھائی کی لاش ڈھانپ دیتا۔ پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہوگیا۔ اسی بِنا پر ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرض کر دیا کہ جس نے بھی کسی ایسے نفس کو قتل کیا جس نے کسی دوسرے کی جان نہ لی ہو یا زمین میں فساد نہ پھیلایا ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے اُسے زندہ رکھا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کر دیا اور یقیناً ان کے پاس ہمارے رسول کھلے کھلے نشانات لے کر آ چکے ہیں پھر اس کے بعد بھی ان میں سے کثیر لوگ زمین میں حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ (المائدہ: 28-33)

اختلاف کی نوعیت کیا تھی؟

قرآن کریم نے حق کے ساتھ جو واقعہ ہمارے لئے محفوظ کیا ہے اس میں اختلاف کی نوعیت مکمل طور پر مذہبی دکھائی دیتی ہے کیونکہ اس وقوعہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کسی دیگر تفصیل کو بیان نہیں کرتا بلکہ صرف یہ بتاتا ہے کہ اے نبی! اپنے مخاطبوں کو آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ پڑھ کر

سُنا جب ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔ اب اللہ تعالیٰ کے لئے قربانی پیش کرنا تو خالص طور پر ایک دینی اور مذہبی معاملہ تھا اور ظاہری طور پر یہی نظر آتا ہے کہ دونوں فریق اپنے اپنے طریق کے مطابق اللہ تعالیٰ کی خاطر قربانی کر کے اس کی نظر میں قرب کا مقام حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ فرق تھا تو صرف اتنا کہ قابیل کا خیال یہ تھا کہ محض کچھ ظاہری قربانی پیش کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا مقام حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ ہابیل اس حقیقت سے اچھی طرح آشنا تھے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانیاں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کے لئے اپنی اصلاح نفس کی طرف توجہ دینا بھی لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف متقیوں کی قربانیاں اور تحائف قبول کیا کرتا ہے۔ ظاہری قربانیاں اور تحائف بھی تب ہی اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول ٹھہرتے ہیں جب ان کے ساتھ ساتھ انسان تقویٰ کی راہوں پر قدم مارتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ہوجائے۔ جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۸﴾

(الحج: 38)

(یاد رکھو کہ) ان قربانیوں کے گوشت اور خون ہرگز اللہ تک نہیں پہنچتے لیکن تمہارے دل کا تقویٰ اللہ تک پہنچتا ہے (درحقیقت) اس طرح اللہ نے ان قربانیوں کو تمہاری خدمت میں لگا دیا ہے تا کہ تم اللہ کی ہدایت کی وجہ سے اس کی بڑائی بیان کرو۔ اور تو اسلام کے احکام کو پوری طرح ادا کرنے والوں کو بشارت دے۔

اب ظاہر ہے کہ یہی وہ مضمون تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے ہابیل کو تو سمجھ آچکا تھا لیکن قابیل اس مضمون سے بے خبر تھا اور اس کی نظر میں یہی کافی تھا کہ اس نے اپنی سمجھ کے مطابق کچھ قربانی اللہ کے حضور پیش کر دی اور اپنی ذمہ داری سے آزاد ہوگیا۔

کیا اس معمولی اختلاف پر قتل کرنا مناسب تھا؟

ہمارا مشاہدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف الخیال بنایا ہے اور بہت مرتبہ وہ اپنے معاملات میں ایک دوسرے سے الگ سوچ بھی رکھتے ہیں۔ ایک ہی بات دو اشخاص تک پہنچتی ہے لیکن وہ اس بات کی اپنی اپنی سوچ اور عقل کے مطابق تشریح کرتے ہیں۔ خیالات کا یہ تنوع ہی انسانوں کو ایک دوسرے سے ممیز اور ممتاز بناتا ہے۔ لیکن کسی بھی مذہبی یا سماجی اختلاف رائے کی بنیاد پر ہتھیار اٹھا کر دوسرے فریق کی جان لے لینا کسی بھی طور پر درست قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس اختیار کے ساتھ پیدا کیا ہے کہ وہ جو بھی راستہ اختیار کرنا چاہے کرسکتا۔ جیسا کہ فرمایا:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ

(الکہف: 30)

اور (لوگوں کو) کہہ دے (کہ) یہ سچائی تمہارے رب کی طرف سے ہی (نازل ہوئی) پس جو چاہے (اس پر) ایمان لائے اور جو چاہے (اس کا) انکار کر دے۔

یا جیسا کہ تمام تر تبلیغ حق کو معراج تک پہنچانے کے بعد آنحضرت ﷺ کی طرف سے کافروں کو یہ بھی سمجھایا گیا کہ ان معاملات میں لڑائی جھگڑے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ

(الکافرون: 7)

تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔

بلکہ قرآن کریم نے تو عقل اور فہم رکھنے والوں کے لئے بڑی وضاحت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے یہ اصولی اعلان بھی فرمادیا ہے کہ:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

(البقرہ: 257)

دین میں کوئی جبر نہیں۔ یقیناً ہدایت گمراہی سے کھل کر نمایاں ہو چکی ہے۔

اور یہ عجیب بات ہے کہ آج سے ہزاروں سال پہلے پیش آنے والے اس مقدمہ کے دونوں فریقوں کی گفتگو بھی ہمیں واضح طور پر یہی قانون سمجھاتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ جب قابیل نے یہ کہا کہ اس اختلاف رائے کی بنیاد پر میں تیری جان لے لوں گا تو ہابیل نے وہی جواب دیا جو آج کی دنیا کا کوئی بھی مہذب اور متقی انسان دے سکتا ہے کہ ان معاملات میں جبر کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اگر تو نے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تا کہ تُو مجھے قتل کرے (تو) میں (جواباً) تیری طرف قتل کی نیت سے اپنا ہاتھ بڑھانے والا نہیں ہوں۔ یقیناً میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔

تاریخ انسانی کے یہ دونوں کردار حقیقی ہیں اور درحقیقت دو طرح کے انسانی رویوں کے عکاس ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جو اختلاف رائے کو برداشت ہی نہیں کر سکتے اور دوسرے وہ جو اپنے اختلاف کو بڑی محبت اور سچے دلائل کے ساتھ مخالف فریق کو سمجھاتے چلے جاتے ہیں اور اس راہ میں اپنی جانیں بھی دینا پڑیں تو اس سے دریغ نہیں کرتے لیکن اس مقصد کے لئے کسی کی جان لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس لئے نہیں کہ وہ بزدل یا کمزور ہوتے ہیں بلکہ صرف اس لئے کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔

اسی قسم کے بعض دیگر مقدمات کی تفصیل

قرآن کریم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں انسانی رویوں کا مظاہرہ ہر دور اور ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے، خاص طور پر مذہبی حوالے سے۔ چنانچہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے کسی مامور کو اس دنیا میں بھیجا تا کہ وہ بھٹکے ہوئے ذہنوں کی اصلاح کر کے انہیں سیدھا راستہ دکھا سکے تو اس قسم کی بحثیں چھیڑ دی گئیں اور مقدمات بھی قائم کر دیئے گئے۔ اور اس حوالہ سے قرآن کریم نے بے شمار مثالیں ہمارے لئے محفوظ بھی فرمادی ہیں۔ جن میں سے ایک مقدمہ حضرت نوحؑ کے خلاف بنایا گیا جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ:

جب ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا تھا کیا تم تقویٰ سے کام نہیں لو گے۔ یقیناً میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں۔ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف تمام جہانوں کے ربّ پر ہے۔ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔ انہوں نے کہا کیا ہم تیری بات مان لیں؟ جبکہ سب سے نچلے درجہ کے لوگوں نے تیری پیروی کی ہے۔ اس نے کہا مجھے اس کا کیا علم ہے جو کام وہ کیا کرتے تھے؟ ان کا حساب صرف میرے ربّ کے ذمہ ہے۔ کاش تم شعور رکھتے۔ اور میں تو ایمان لانے والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔ میں تو صرف ایک کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا اے نوح! اگر تُو باز نہ آیا تو ضرور تو سنگسار کئے جانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ اس نے کہا اے میرے ربّ! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ پس میرے درمیان اور ان کے درمیان واضح فیصلہ کر دے اور مجھے نجات بخش اور اُن کو بھی جو مومنوں میں سے میرے ساتھ ہیں۔ پس ہم نے اسے اور اُن کو جو اس کے ساتھ تھے ایک بھری ہوئی کشتی میں نجات دی۔ پھر ہم نے بعد میں باقی رہنے والوں کو غرق کر دیا۔ (الشعراء: 107-121)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف دونوں قسم کے رویوں کا ذکر فرمادیا ہے بلکہ ان کے نتائج سے بھی آگاہ فرمادیا ہے۔ یہ اسی قسم کے نتائج ہیں جو قابیل کو اپنے جرم کے بعد بھگتنے پڑے تھے چنانچہ وہی نتیجہ حضرت نوحؑ کے مخالف فریق کو بھی دیکھنا پڑا اور وہ عبرت کا ایک نشان بن گئے۔ لیکن یہ واقعہ کوئی ایک انفرادی واقعہ نہیں ہے بلکہ اس قسم کے رویوں کی داستان آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے دور سے ہوتے ہوئے عصر حاضر تک پہنچتی ہے جس کے درمیان بہت بڑے بڑے وجودوں کے نام بھی آتے ہیں جن پر اسی قسم کے مقدمات بنائے گئے اور سزائیں دینے کی کوشش کی گئی۔

حضرت ابراہیمؑ کے خلاف قوم کا مقدمہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ نبی تھے جو اپنی قوم کی بت پرستی کے متعلق انہیں تنبیہ کرنے اور خدائے واحد کی جانب بلانے کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ انہوں نے جب ان بے جان بتوں کی کمزوری ظاہر کرنے لئے اپنے بت خانے کے بتوں کو توڑا تو قوم مشتعل ہوگئی اور ایک طوفان آ گیا اور تلاش شروع ہوئی کہ یہ کس کا کام ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم بیان کرتا ہے:

انہوں نے کہا ہم نے ایک نوجوان کو سنا تھا جو اُن کا ذکر کر رہا تھا۔ اُسے ابراہیم کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا پس اُسے لوگوں کی نظروں کے سامنے لے آؤ تا کہ وہ دیکھ لیں۔ انہوں نے کہا کہ اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں سے یہ کچھ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ آخر کسی کرنے والے نے تو یہ کام ضرور کیا ہے۔ یہ سب سے بڑا بت سامنے کھڑا ہے اگر وہ بول سکتے ہوں تو ان سے (یعنی اس بت سے بھی اور دوسرے بتوں سے بھی) پوچھ کر دیکھو۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف چلے گئے اور کہا کہ یقیناً تم ہی ظالم ہو۔ پس وہ سر بہ گریباں کر دیئے گئے (اور بولے) تُو یقیناً جانتا ہے کہ یہ کلام نہیں کرتے۔ اس نے کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں ذرّہ بھر فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے؟ تُف ہے تم پر اور اس پر جس کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ پس کیا تم عقل نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا اس کو جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کچھ کرنے والے ہو۔ ہم نے کہا اے آگ! تُو ٹھنڈی پڑ جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔ اور انہوں نے اُس سے ایک چال چلنے کا ارادہ کیا تو ہم نے خود انہی کو کلیۃً نامراد کر دیا۔ (الانبیاء: 60-71)

یعنی جہاں ایک جانب حضرت ابراہیمؑ یہ عقلی دلیل دے رہے تھے کہ یہ بت جنہیں تم خدا سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہو اور ان سے امداد مانگتے ہو یہ تو خود اس قدر بے بس اور لاچار ہیں کہ نہ تو خود اپنی حفاظت کر سکتے ہیں، نہ ہی اپنے مجرم کو سزا دے سکتے ہیں اور نہ ہی اس کا نام بتا سکتے ہیں وہیں اس مضبوط دلیل کے جواب میں کوئی دلیل پیش کرنے کے بجائے یہی فیصلہ کیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو سزائے موت دے دی جائے اور آگ میں زندہ جلا دیا جائے لیکن یہ دلیل ابھی مکمل نہیں ہوتی بلکہ بات آگے چلتی ہے اور حقیقی قادر و قدیر خدا اس جلتے ہوئے آگ کے آلاؤ سے ابراہیم علیہ السلام کو زندہ نکال کر یہ ثابت کر دیتا ہے کہ حقیقی خدا ایسا طاقتور اور توانا وجود ہوا کرتا ہے کہ کوئی اسے تو کیا اس سے تعلق رکھنے والے وجودوں کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا پھر خواہ وہ ابرہہ کے طاقتور لشکر ہوں، ابراہیمؑ کی قوم ہو یا کسی بھی زمانے کے معاندین حق ہوں۔ ہر ایک انسان اللہ کا محتاج تو ہے مگر وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اپنے مزعومہ معبودوں کی امداد کرنے کے لئے مقدمات کے یہ سلسلے ہر دور میں جاری رہتے ہیں۔

عیسیٰؑ کو سزائے مَوت سُنائی جاتی ہے

اللہ تعالیٰ کے ایک پاک اور برگزیدہ وجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف بھی ایسے ہی مقدمات قائم کر کے انہیں عدالتوں میں لے جایا گیا۔ اناجیل ان مقدمات اور سزائے موت دیئے جانے کی تفصیلات سے بھری ہوئی ہیں کہ کیسے توہین مذہب کا ایک جھوٹا الزام لگا کر اسے ثابت کئے بغیر مذہب کے ٹھیکیداروں نے اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ نبی کو عدالتوں میں گھسیٹا اور عدالت نے بھی آپ کو بے قصور جاننے کے باوجود محض مذہبی اور سیاسی دباؤ میں آ کر اس ظالمانہ سزائے موت کی اجازت دے دی۔ پِیلاطُوس جس کے سامنے یہ مقدمہ زیر کارروائی تھا وہ جانتا تھا کہ یہ غلط ہو رہا ہے اور اس نے یہ اظہار بھی کیا کہ تم جس شخص پر الزام لگا کر میرے پاس لائے ہو میں نے جو تحقیقات کی ہیں ان میں اس پر کوئی جرم ثابت نہیں ہوتا لیکن مخالف فریق چلا چلا کر کہنے لگا کہ نہیں یہ مجرم ہے اسلئے اس کو مصلُوب کرو! اِس پر اُس نے عیسیٰ علیہ السلام کو اُن کے حوالہ کر دیا کہ وہ مصلوب کئے جائیں۔ پس وہ ان کو لے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہمیشہ سے جاری تقدیر کے مطابق اس سزائے موت کا حکم صادر ہونے کے باوجود بھی آپ کی حفاظت فرمائی لیکن انسانی فطرت کا قابیل اور ہابیل والا رخ ایک مرتبہ پھر دنیا کے سامنے آ گیا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ کس طرح محض مذہبی عقیدے اور اس کی کسی قدر مختلف تشریح کی بنا پر انسان دوسرے فریق کو مارنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں اور اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتا کہ دین کے معاملات تو خالص اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا جھوٹا پیغامبر بن کر دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرے تو اسے سزا دینے اور تباہ کرنے کے لئے قادر خدا خود ہی کافی ہے۔ قوم ابراہیم کے بتوں کی طرح اس کام کے لئے اسے کسی انسان کی مدد کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔

عیسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ صلیب کے بعد بھی قریب تین سو سال تک آپ کے ماننے والوں کو ظلم وستم کی چکیوں میں پیسا جاتا رہا۔ انہیں بھوکے جنگلی جانوروں کے سامنے پھینک کر ان کی چیخ و پکار سے لطف اندوز ہوا جاتا رہا۔ رومن زمانے کے COLOSSEUM ان مجبور اور بے بس ملزموں کی فریادوں کے ہمیشہ کے لئے گواہ بن گئے جہاں آج بھی ان

مظلوم اصحاب کہف کی صدائیں گونجتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ گویا قابیل کے ہاتھوں لگائے ہوئے ظلم کے پودے تناور درخت بنتے چلے جارہے تھے لیکن قومیں اس بارے میں سوچنے کے لئے تیار ہی نہیں تھیں اور عمومی خیال یہی تھا کہ مذہبی معاملات میں نرمی کیسی؟ اس کے لئے تو جان دی بھی جاسکتی ہے اور جان لی بھی جاسکتی ہے۔ اصحاب کہف کی دردناک داستان سے لے کر مکہ کی گلیوں میں حضرت بلالؓ، خبیبؓ اور خبابؓ اسی داستان کے جیتے جاگتے کردار رہے ہیں۔

رسول اللہؐ کے خلاف قوم کا مقدمہ

ہمارے آقا و مولا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے حق کی تبلیغ شروع کی تب بھی یہی کچھ ہوا۔ قوم مخالف ہوگئی۔ اہلِ مکہ سے صبر نہ ہوسکا اور ان کے بعض دانشور ابو طالب کے پاس آئے اور انہیں سمجھایا کہ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روکیں یا ان کی حمایت سے دستبردار ہوجائیں ورنہ انجام اچھا نہیں ہوگا۔ ابو طالب کو اپنے یتیم بھتیجے کی فکر ہوئی اور انہیں بلا کر سمجھانے لگے۔ حضور ﷺ نے جب اپنے مہربان چچا کے منہ سے تبلیغِ حق ترک کر دینے کا مشورہ سنا تو فرمایا:

’’خدا کی قسم! اگر وہ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لاکر رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں خدا تعالیٰ کا دامن چھوڑ دوں تو میں ہرگز اس کے لئے آمادہ نہیں ہوں۔ یا تو خدا کا سچا دین لوگوں میں پھیل جائے گا یا پھر میں اس جدوجہد میں اپنی جان دے دوں گا۔ کفارِ مکہ نے جب یہ دیکھا کہ ان کی سب تدبیریں ناکام ہورہی ہیں اور آپؐ کی دعوت عام ہورہی ہے تو انہوں نے مشورہ کرکے مکہ کے سب سے چالاک اور زیرک سردار عتبہ بن ربیعہ کو آپؐ کے پاس بھیجا کہ وہ آپؐ کو دنیاوی طمع اور لالچ دے کر تبلیغِ دین سے روک دے۔ عتبہ نے آپؐ کے پاس پہنچ کر کہا، ’’بھتیجے تم حسب ونسب میں ہم سے بہتر ہو۔ اگر تم دولت کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہو تو ہم تمہارے واسطے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تم سب سے زیادہ مالدار ہوجاؤ گے۔ اگر سرداری حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہم اس پر بھی راضی ہیں کہ تمہیں قریش کا سردار بنادیں۔ اگر تم شادی کے خواہش مند ہو تو مکہ کی سب سے خوبصورت لڑکی کو تمہاری دلہن بنادیں گے۔‘‘ آپ نے عتبہ کے اس طویل لیکچر کو سن کر جواب میں سورۃ حٰمٓ السجدہ کی تلاوت کی اور اس کی ہر ایک پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ جس پر ظلم وستم کا بازار گرم کر دیا گیا اور اس پاک نبی اور آپ کے ماننے والوں پر مشق ستم اور بھی تیز کر دی گئی لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق صبر اختیار فرمایا اور پھر وہ دن بھی آئے کہ اسلام کی وہ خوبصورت تعلیم دنیا نے دیکھی جس میں مذہب اور عقیدے کے فرق کے باوجود انسانی حقوق کے اعتبار سے انسانوں کی جان، مال، عزت اور حرمت کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت وقت اور مسلمانوں کے نظم اجتماعی پر ڈالی گئی اور معاشرہ جنت نظیر بن گیا۔

مذہبی مباحثات کے حوالہ سے قانون سازی

اسلام کی رواداری کی انہی عظیم الشان تعلیمات سے متاثر ہوکر دیگر حکومتوں اور تہذیبوں نے بھی بالآخر سبق سیکھا اور اپنے معاشروں کو بہتر بناکر مذہبی رواداری اور انسانی حقوق کے علم بردار بن گئے۔ جدید دنیا میں ظاہری ترقیات کے ساتھ ساتھ انسانوں کے علم اور شعور میں بھی اضافہ ہوا اور دنیا بھر میں آزادی اظہار کی تحریکات نے جنم لیا۔ دنیا میں لوگوں کو نہ صرف سیاسی، معاشرتی، اخلاقی اور دینی علوم پر بات کرنے کی آزادی دی گئی بلکہ لوگوں کے لئے ان معاملات میں بعض قانون بناکر حدود وقیود بھی طے کر دی گئیں کیونکہ اس آزادی کے ساتھ یہ خدشہ بہرحال موجود تھا کہ اس آزادی کے نتیجے میں فتنہ اور فساد پیدا نہ ہوجائے۔ چنانچہ اسی امر کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہندوستان کی برطانوی حکومت نے 1825ء میں تعزیرات ہند یعنی Indian Penal Code کی تیاری کا کام شروع کیا اور 1862ء میں یہ قوانین اپنی حتمی شکل میں تمام صوبوں اور ریاستوں کی عدالتوں میں استعمال ہونا شروع ہوگئے۔ یہ بعینہ وہی زمانہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے حکم وعدل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا تھا اور آپ نے مستقبل میں آسمانی نور اور الہام الٰہی کی روشنی میں مذاہب کے درمیان فیصلے فرمانے تھے۔ چنانچہ تعزیرات ہند کے ان قوانین کے مجموعہ میں جہاں ہر شخص کو اپنے اپنے مذہب اور ایمان کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دی گئی وہیں صدیوں سے جاری اس ظلم کے خاتمے کے حوالے سے بھی اقدامات کر دیئے گئے کہ مذہب یا عقیدے کے فرق کی بنیاد پر کسی دوسرے شخص کو تکلیف میں مبتلا نہیں کیا جاسکے گا اور گویا انگریزی حکومت نے اسلام کے اس خوبصورت اصول کو تسلیم کرلیا کہ محض عقیدے کے فرق کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس ظلم پر اس سے حکومت کی طرف سے باز پرس کی جائے گی۔ چنانچہ تعزیرات ہند کے 15 ویں باب میں سیکشن 295 تا 298 صرف اسی مقصد کے لئے متعارف کروائے گئے کہ کسی بھی مذہب اور عقیدے کے خلاف جرائم کو روکا جاسکے اور لوگ پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ کسی بھی خوف کے بغیر اپنے عقیدے اور اپنی مذہبی تعلیمات کا اظہار کرسکیں اور کسی فرد یا گروہ کو یہ اجازت نہ دی جائے کہ وہ طاقت کے بل بوتے پر کسی دوسرے فرد کے مذہبی عقائد کو پامال کرے اور قابیل بنتے ہوئے اس کے خلاف اپنے دست ستم کو دراز کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے نہ صرف اس قانون کو پسند فرمایا بلکہ مذہبی مناظروں اور بحثوں کے نتیجے میں ہونے والی بدنظمی اور لڑائی جھگڑے کے سدباب کے لئے 22/ ستمبر 1895ء کو ہندوستان کے وائسرائے سے درخواست کرتے ہوئے تعزیرات ہند کی ان دفعات میں توسیع کی بعض تجاویز بھی پیش فرمائیں تا کہ مستقبل میں کوئی بھی معصوم جان محض مذہبی یا فروعی فقہی اختلافات کی بنیاد پر قتل نہ ہو اور تا کہ وہ غلطی جو انسانیت کے آغاز میں قابیل نے کی تھی وہ بار بار دہرائی نہ جائے اور دنیا اسلام کے بیان فرمودہ اصولوں کے مطابق مذہبی آزادی کے ساتھ جینا سیکھ جائے۔ یہ بات مان لی جائے کہ دین میں کوئی جبر نہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کرلیا جائے کہ سچ اور حق رب کی طرف سے ہی نازل ہوتا ہے اس لئے انسانوں کو داروغہ بننے کا اختیار نہیں ہے پس جو چاہے اس حق پر ایمان لائے اور جو چاہے (اس کا) انکار کر دے کیونکہ یہ آزادی تو اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کے ساتھ ہی ابلیس کی شکل میں عطا فرمادی تھی اور یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ بھی کوئی جبر نہیں کریں گے پس کسی انسان کو اس کا اختیار کیسے دیا جاسکتا ہے۔

قابیل اب زیادہ سفاک ہوچکا ہے

لیکن یہ بات نہایت قابل افسوس ہے کہ اسلام نے مذہبی رواداری کا جو درس اپنے ماننے والوں کو دیا اور دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں نے بھی اس کی خوبی کو تسلیم کرتے ہوئے اسے تسلیم کرلیا اور اس بارے میں قوانین بھی بنادئے۔ بدقسمتی سے طاقت ملتے ہی بعض نام نہاد مسلمان حکمرانوں اور سیاستدانوں کے ہاتھوں انہی قوانین میں بعض ایسی ترامیم اور اضافے کر دئے گئے جو ظلم کا دروازہ کھولنے کا ذریعہ بن گئے اور اس قانون کو جو مظلوموں کی امداد کے لیے بنایا گیا تھا ظالموں کے ہاتھوں میں ایک ہتھیار کے طور پر دے دیا گیا تا کہ وہ قانون کا سہارا لے کر ظلم کے بازار کو گرم رکھ سکیں۔ قابیل کی سوچ اور فکر جو آج بھی زندہ ہے بعض ملکوں میں اسے قانونی تحفظ دیا جاچکا ہے اور قابیل بڑے فخر سے محض مذہب اور عقیدے کے فرق کی بنیاد پر قانون کے اس کوڑے کو ہاتھ میں لئے مظلوموں پر برساتا چلا جارہا ہے۔ آج بھی عقیدے کے فرق کی بنا پر لوگوں کی زندگی اجیرن کی جاتی ہے۔ آج بھی مقدمات بناکر انہیں پابند سلاسل کیا جاتا ہے اور آج بھی ان کو قتل کیا جاتا ہے۔ اگر ہزاروں سال گزرنے کے بعد کچھ فرق پڑا ہے تو صرف اتنا کہ موجودہ دور کا قابیل اس معاملے میں اور بھی بے حس، سفاک اور بے باک ہوگیا ہے۔ سابقہ قابیل نے مذہبی بنیاد پر اپنے بھائی کو قتل کیا تو اس پر نادم ضرور ہوا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کو بھیجا تھا جو زمین کو (پنجوں سے) کھود رہا تھا تا کہ وہ اسے سمجھادے کہ کس طرح وہ اپنے بھائی کی لاش کو قبر بناکر زمین میں ڈھانپ دے۔ آج بعض ملکوں کے قابیل اس بات سے بھی عاجز آچکے ہیں کہ اس کوے کی نصیحت سے ہی فائدہ اٹھالیں۔ مذہبی منافرت کے نتیجے میں قتل کرنے کے بعد لاشوں کو دفنانے کے معاملے پر تو جھگڑتے ہی تھے لیکن اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ فوت شدہ اور مدفون لوگوں کی قبروں کے خلاف بھی غصہ نکالا جاتا ہے۔ ان کی قبروں کی بے حرمتی کی جاتی ہے، ان کی مٹی کو پامال کیا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ قابیل سے زیادہ تقویٰ شعار اور ایک کوے سے زیادہ ذہین ہیں۔ وہ قابیل کو ملنے والی اس الٰہی سزا کو بھول چکے ہیں کہ اختلاف مذہب کے نام پر قتل وغارت گری کے بعد جب زمین میں کھیتی باڑی کی جاتی ہے تو وہ پہلی سی پیداوار نہیں دیتی اور اس طرح کے ظلم کرنے والے لوگ اور قومیں زمین میں خانہ خراب اور بے یار ومددگار ہوکر رہ جایا کرتی ہیں۔

دعا کا تحفہ

سوتے وقت کی دعا

حضرت ابو الازہرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بستر پر جاتے ہوئے یہ دُعا پڑھتے تھے:

بِسْمِ اللّٰہِ وَضَعْتُ جَنْبِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَاخْسِیْٔ شَیْطَانِیْ وَفُکَّ رِھَانِیْ وَاجْعَلْنِیْ فِی النَّدِیِّ الْاَعْلٰی

(ابوداؤد کتاب الادب)

ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ مَیں اپنا پہلو (بستر پر) رکھتا ہوں اے اللہ! میرے گناہ بخش دے۔ میرے شیطان کو نامراد کر مجھے اپنے حقوق اور واجبات ادا کرنے کی توفیق دے اور مجھے اپنے فرشتوں کی مجلس میں جگہ عطا فرما۔

(مناجات رسولؐ از خزینۃ الدعا مرتبہ علامہ ایچ ایم طارق ایڈیشن 2014ء صفحہ 121)

مرسلہ: عائشہ چوہدری۔ جرمنی

DAILY LONDON ALFAZL ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION | Download on the App Store | ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

ادارہ کا مضمون نویسوں، تبصرہ و مراسلہ نگاروں کے خیالات اور آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں

م م محمود

سو سال قبل کا الفضل

22/ جنوری 1923ء دو شنبہ (سوموار) مطابق 4/ جمادی الثانی 1341 ہجری

صفحہ اول و دوم پر زیرِعنوان ’’مغربی افریقہ میں تبلیغِ اسلام‘‘ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؓ کی ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے جو آپؓ نے 22/ نومبر 1922ء کو تحریر فرمائی۔اس رپورٹ میں آپؓ نے ایک مقدمہ فوجداری کے فیصلہ کا ذکر کیا ہے جو جماعتِ احمدیہ نے 15 اشخاص پر بجرمِ مجمعِ مجرمانہ ،مداخلت مذہب اور ضربِ شدید دائر کیا تھا۔اس میں دوہفتہ کی سماعت کے بعد مجسٹریٹ نے 8 اشخاص کو سزائے قید و جرمانہ دی۔سرغنہ ہائے جرم کو تین تین ماہ قید بامشقت اور تین کو ایک ایک ماہ اور دو کو دو ہفتہ قید اور ایک پونڈ جرمانہ کی سزا دی۔حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؓ نے تحریر کیا کہ ’’ان مجرموں میں ایک حاجی صاحب بھی ہیں جو سرزمینِ نائیجیریا میں جیل کا دروازہ دیکھنے میں فردِ واحد ہیں۔خدا کا شکر ہے کہ فیصلہ کا شہر میں اس قدر عمدہ اثر ہوا ہے کہ بالکل امن و امان ہے۔‘‘

مذکورہ رپورٹ میں حضرت نیر صاحبؓ نے مدرسہ تعلیم الاسلام لیگوس کی تعلیمی رپورٹ اور تبلیغی وفود کی بعض مساعی کا بھی ذکر کیا ہے۔

صفحہ 3و 4 پر اخبار نے اپنے اداریہ میں تین مختلف موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ابتداء میں اخبار نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیراحمد صاحبؓ کی تازہ تصنیف ’’تبلیغِ ہدایت‘‘ کا مفصل تعارف کروایا ہے۔اخبار لکھتا ہے کہ:

’’1922ء کے جلسہ سالانہ پر جو متعدد کتب شائع ہوئی ہیں ان میں سے ایک خاص کتاب مذکورہ بالا نام سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیراحمد صاحب ایم اے کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف کا طرزِ تحریر جیسا جامع، پرمعنی، دلآویز اور آسان ہے وہ ہماری تعریف و توصیف سے بالکل مستغنی ہے اور اسی وجہ سے ہم اس کی نسبت کچھ نہ کچھ کہیں گے۔ہاں مختصر طور پر احباب کی اطلاع کے لیے اس تازہ تالیف کے مضامین کی نسبت کچھ ذکر کریں گے۔تا کہ احباب کو اصل کتاب کی طرف توجہ پیدا ہو اور اس میں جو حقائق و معارف بیان ہوئے ہیں ان سے فائدہ اٹھا کر تبلیغِ احمدیت میں کامیابی حاصل کریں۔‘‘

بقیہ صفحہ 9 پر

THE ALFAZL QADIAN

الفضل

فہرست مضامین

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ایڈیٹر۔ غلام نبی

مغربی افریقہ میں تبلیغ اسلام

مقدمہ فوجداری کا فیصلہ

فقہی کارنر

پردے میں بے جا سختی نہ کی جائے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیراحمدؓ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ بیان کیا حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفہ اوّلؓ نے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کسی سفر میں تھے۔سٹیشن پر پہنچے تو ابھی گاڑی آنے میں دیر تھی۔آپ بیوی صاحبہ کے ساتھ سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگے۔ یہ دیکھ کرمولوی عبد الکریم صاحب جن کی طبیعت غیور اور جوشیلی تھی میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بہت لوگ اور پھر غیر لوگ ادھر اُدھر پھرتے ہیں۔آپ حضرت صاحب سے عرض کریں کہ بیوی صاحبہ کو کہیں الگ بٹھا دیا جائے۔مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میں تو نہیں کہتا آپ کہہ کر دیکھ لیں۔ ناچار مولوی عبد الکریم صاحب خود حضرت صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ حضور لوگ بہت ہیں۔ بیوی صاحبہ کو الگ ایک جگہ بٹھا دیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا جاؤ جی! میں ایسے پردہ کا قائل نہیں ہوں۔مولوی صاحب فرماتے تھے کہ اس کے بعد مولوی عبد الکریم صاحب سر نیچے ڈالے میری طرف آئے۔ میں نے کہا مولوی صاحب! جواب لے آئے ؟

(سیرت المہدی جلد 1 صفحہ 56)

(مرسلہ: داؤد احمد عابد۔ استاد جامعہ احمدیہ برطانیہ)

ایک سبق آموز بات

بیعت کی تکرار

بعض دفعہ احباب حضرت مسیح موعودؑ سے یہ مسئلہ پوچھتے تھے کہ جب آدمی ایک دفعہ بیعت کر لے تو کیا یہ جائز ہے کہ اگر پھر کبھی بیعت ہو رہی ہو تو وہ اس میں بھی شریک ہو جائے۔حضورؑ فرماتے تھے کہ کیا حرج ہے؟ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اکثر دوست دوبارہ سہ بارہ بلکہ کئی بار بیعت میں شریک ہوتے رہتے اور بیعت چونکہ توبہ اور اعمال صالحہ کے عہد کا نام ہے اس لئے بہر حال اس کی تکرار میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔

(سیرت المہدی روایت نمبر 996)

مرسلہ: امۃ الباری ناصر۔ امریکہ

23/ جنوری 2022ء		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ		05:41	18:04
مدینہ منورہ		05:45	18:00
قادیان		06:02	17:54
ربوہ		05:42	17:34
اسلام آباد ٹلفورڈ		06:23	16:37